Mr. Askari
C/o. I. A. Mosque.
Lalookhet (C-1) area
Karachi

ابلاغ

ابن عربی

ابوجاوید نیازی

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور، راولپنڈی، منگلا، پشاور، ملتان، حیدرآباد، کراچی

پہلی بار ——— ۱۹۶۹
تعداد ——— دو ہزار
قیمت ——— ایک روپیہ

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر پبلشر

شیخِ اکبر

ابن عربی تصوّف کی دنیا میں "شیخِ اکبر" کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور علمی دنیا میں محیّ الدین محمّد بن علی بن محمّد العربی بن احمد بن عبداللہ الطّائی الحاتمی کے نام سے۔ وہ اُسی حاتم طائیؒ کی نسل سے تھے جو اپنی سخاوت کے باعث نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا میں مشہور ہے۔ عرب میں بنی طے ایک قبیلہ تھا اور حاتم اُس کا ایک رئیس تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ کوئی سائل اس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا۔ ویسے بھی عرب بڑے فراخدل اور مہمان نواز ہوتے تھے اور ان روایات کو وہ جہاں گئے اپنے ساتھ لے گئے۔

ابن عربی کا گھرانہ اندلس میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جانے پر وہاں جا بسا تھا۔ مہمان نوازی اور سخاوت انھیں ورثہ میں ملی تھیں۔ وہ کسی کا سوال رَد نہ کرتے تھے اور جو کچھ ان کے پاس آتا وہ غریبوں کو بانٹ دیتے تھے۔

پیدائش

۱۷ رمضان ۵۶۰ھ کو وہ اُندلس کے ایک شہر مُرسیہ میں پیدا ہوئے۔ اہلِ اُندلس اُن کو ابن سراقہ، بھی کہتے ہیں۔ اُن کے والد اور چچا بڑے صوفی منش لوگ تھے اور خاصی شہرت رکھتے تھے اور اسلام کے مشہور مُبلغ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق غوثِ اعظم نے ان کی پیدائش کی بشارت دی تھی اور ان کا نام بھی تجویز کیا تھا۔

تعلیم

ابن عربی کے والد نجاری کا کام کرتے تھے مگر تعلیم یافتہ اور بے حد نیک آدمی تھے۔ ابن عربی کی ابتدائی تعلیم حسبِ دستور گھر ہی پر ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد سے قرآن اور حدیث کا درس لیا اور ۵۹۷ھ میں ان کے ساتھ اشبیلیہ آ گئے۔ اشبیلیہ صوفیوں اور عُلمار کا گڑھ تھا۔ یہاں انھوں نے ابوبکر بن خلف سے فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس لیا۔ وہ بچپن ہی سے نہ صرف بے حد نیک، عبادت گزار اور صادق القول تھے بلکہ بے حد ذہین بھی تھے۔ ان کی ذہانت کا چرچا جلد ہی دور دور ہو گیا اور لوگ اکثر ان سے ملنے کے لئے

آنے لگے۔ نوجوانی میں جب کہ ان کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی وہ دنیا کے مشہور فلسفی ابن رشد سے ملنے قرطبہ بھی گئے تھے جو اس وقت قرطبہ کے قاضی (JUDGE) تھے۔

عقائد ان کا کنبہ عقائد کے لحاظ سے امام مالک کے فقہی مسلک کا پیرو تھا مگر ابن عربی نے مختلف مکاتیبِ فکر کے لوگوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ لہذا انھوں نے اپنے کو کسی کا پابند نہ ہونے دیا۔ ان کے استادوں میں ابو بکر بن خلف، ابوالحسن الشریح روعینی، ابوالقاسم قرطبی، ابن زرقون، عبدالحق الازدی، حافظ السلفی۔ ابن عساکر، ابوالفرج اور ابن الجوزی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ابن عساکر، ابوالفرج، اور ابن الجوزی سے ان کو تدریس حدیث کی اجازت حاصل تھی۔ وہ اپنی جوانی ہی میں بہت سے علماء پر سبقت لے جا چکے تھے اور علم وفضل اور زہد و تقویٰ میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ ان کا چال چلن بے داغ تھا۔ علمِ شریعت کے ساتھ ساتھ ان کو اندلسی صوفیوں سے بڑا گہرا تعلق خاطر تھا۔

تقریر و تحریر عین عالمِ شباب میں زورِ قلم کا یہ عالم تھا کہ عربی نظم اور نثر پر یکساں

دسترس رکھتے تھے۔ وہ بات جسے نثر میں لکھنا بھی آسان نہ ہو اس کو بھی نظم میں بے تکان بیان کردیتے تھے۔ شعر کہنے کا ملکہ فطری تھا اور اکثر و بیشتر فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔ عربی زبان کی لغت اور محاورے پر اُن کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن عربی کی زبان میں مہارت، شعر کہنے پر قدرت اور ذہانت کا کوئی جواب نہ تھا۔

روحانی کیفیات

فلسفہ تصوّف اور الہیات کے اسرار و رموز کے مطالعہ میں جو گہرائی ان کو میسّر آئی وہ پھر کبھی کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ وہ جب حمد و ثنا میں مصروف ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے اُن کو اپنا بالکل ہوش نہیں ہے۔ عشق الٰہی میں سرشار رہتے تھے۔ ان میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو کسی بڑے سے بڑے شخص میں ممکن ہو سکتی ہیں۔ اُن کی رُوحانی تجلیوں اور کیفیات کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ فکر کی گہرائی اور عمق کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ انھیں بچپن ہی سے بالکل سچے خواب نظر آتے اور ایک حدیث کے مطابق سچّے خواب نبوّت کا چالیسواں حصّہ ہوتے ہیں۔ ان کی کشفی اور الہامی کیفیتیں مُسلّم تھیں اور لوگ ان کی بات کو جھٹلا نہ پاتے تھے اور ان

کی دلیل کو توڑنا تو کسی طرح آسان نہ تھا۔
ابن عربی نہ صرف سچے خواب دیکھتے تھے بلکہ خوابوں کی حقیقت اور افادیت کے بھی قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان جیسا ہوتا ہے ویسے ہی اس کے خواب بھی ہوتے ہیں اگر کوئی خواب میں بھی حاضر دماغ رہنا سیکھ لے تو انہیں بے پناہ قوتِ فکر پیدا ہو جاتی ہے اور عالم برزخ میں اُس کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ وہ اپنی روحانی نسبت حضرت خضر علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت خضر کا ذکر اگرچہ قرآن کریم میں نہیں ہے مگر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سبق دیا تھا۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر ہیں کہ دائمی طور پر بھولے بھٹکے مسافروں اور مظلوموں کی مدد اور رہنمائی کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے حد و حساب حکمت و دانشمندی عطا کی ہے۔ اقبالؒ بھی اپنی رہنمائی کے لئے مولانا رومیؒ کے علاوہ اگر کوئی نام لیتے ہیں تو خضرؑ کا۔ ابن عربی کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ ان کو وجدانی طور پر "اسم اعظم" اور "علم کیمیا" عطا کیا گیا ہے۔
۵۹۵ھ میں شیخ المیریہ گئے تھے وہیں کے قیام میں انہوں نے اپنی کتاب "مواقع النجوم" تصنیف کی تھی۔

۵۹۷ھ میں وُہ جا یہ (CEUTA) گئے۔ وہاں انھوں نے بہت سے علماء اور صوفیوں سے ملاقاتیں کیں۔ اسی شہر میں انھوں نے اپنا مشہور خواب دیکھا۔ خواب یہ تھا "جیسے آسمان کے تمام ستاروں سے یکے بعد دیگرے اُن کا عقد ہوا ہے اور اُن کو ایک عجیب روحانی سکون میسر آیا ہے"۔ ان کے ایک دوست نے یہ خواب شہر کے ایک تعبیر دینے والے سے بیان کیا تو اس نے بتایا کہ اِس خواب کا دیکھنے والا بڑا خوش نصیب شخص ہے۔ اُس پر علومِ دینیہ اور اسرارِ الٰہیہ کھلنے والے ہیں۔ اس کا علم و فضل میں کوئی ثانی نہ ہوگا۔

مدرسۂ فکر انھوں نے جن لوگوں سے استفادہ کیا ان میں ایک بزرگ خاتون بھی شامل ہے۔ اس خاتون کا نام فاطمہ بنت الولیہ تھا۔ شیخ کی ملاقات کے وقت اِس خاتون کی عمر پچانوے سال تھی اور اس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس کو دیدارِ الٰہی کا شرف حاصل ہے۔ اپنے عہد میں افلاطون نے بھی ایک بزرگ عورت سے استفادہ کیا تھا۔ اُس کا نام تھا دیوتما۔ یہ عورت "فلسفۂ عشق" میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی اور اس فن میں افلاطون کی استاد تھی۔ اسی کے متعلق اقبالؒ نے کہا ہے :۔

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

۵۹۸ھ مطابق ۱۲۰۲ء میں ابن عربی نے سرزمین اُندلس کو خیرباد کہا اور افریقہ، مصر، مکّہ اور بغداد کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اُندلس میں مسلمان حکمران صوفیوں کی خفیہ تحریکوں اور معتزلی فلسفیوں کو ناپسند کرتے۔ فلسفے کی تعلیم عام نہ تھی اور فلسفیانہ عقائد کو اسلامی عقائد کے خلاف ہونے کی وجہ سے کھُلم کھُلا پھیلایا نہ جا سکتا تھا ابن عربی اُندلس سے روانہ ہونے سے قبل ہی اچھی خاصی شہرت کے مالک بن چکے تھے۔ وہ اُندلس سے نکل کر فاس پہنچے جو علمی مرکز تھا۔ وہاں سے مصر، حجاز، بغداد، مُوصل، حلب ہوتے ہوئے دمشق پہنچے جہاں وُہ مستقل طور پر آباد ہو گئے۔

مصر میں انھوں نے ایک سال سے زیادہ قیام کیا۔ یہاں کئی مرتبہ اُن کے خلاف سازشیں ہوئیں۔ قتل کرنے کے پروگرام بنائے گئے مگر یہ ہر دفعہ بچ گئے۔ ان کے فلسفیانہ عقائد کی وجہ سے طبقۂ علماء اُن کا دشمن ہو گیا تھا انھوں نے حکومت کو ان کے خلاف کر دیا تھا۔ ایک بار تو ان کو سرکاری طور پر گرفتار بھی کر لیا گیا تھا مگر بعد میں رہا کر دیا گیا۔ آخری بار جب اِن کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا تو ان

کے ایک با اثر دوست نے نہ صرف انھیں مطلع کر دیا بلکہ مصر سے بحفاظت تمام نکل جانے میں مدد بھی دی اور ان کی زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی ان کی مخالفت اور موافقت میں بڑے بڑے علماء حصہ لیتے رہے۔ مخالفین میں امام ابنِ تیمیہؒ اور تفتازانی کے نام سرفہرست لکھے جا سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو شیخ کے مخالف تھے وہ ان کو ملحدِ اعظم، کافرِ اعظم اور زندیق کہتے تھے اور وہ جو معتقد تھے وہ شیخِ اکبر اور صدیق کہہ کر پکارتے تھے۔

دمشق پہنچنے پر صدر الدین قونوی ان کے معتقد ہو گئے اور صحیح معنوں میں ابن عربی کے جانشین صدر الدین قونوی ہی تھے۔ صدر الدین کی مکمل تربیت ابن عربی نے کی تھی۔ وہ کئی زبانوں کے ماہر اور تمام علوم متداولہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی علمی استعداد کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جس زمانہ میں صدر الدین نے ابن عربی کی کتاب فتوحاتِ مکیہ کا درس دینا شروع کیا تو درس میں حاضر ہونے والے نوجوانوں میں جلال الدین رومیؒ جیسا ہونہار طالبعلم بھی موجود تھا جو بعد میں بذاتِ خود ایک علیحدہ مکتبۂ فکر کا بانی قرار پایا اور جس کی تصنیف "مثنوی" لازوال شہرت کی مالک ہے۔

عبداللہ بن سعد الیافعی کا قول ہے کہ جب ابن عربی اور شہاب الدین سہروردی کی ملاقات ہوئی تو دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ کسی نے کسی سے نہ کچھ کہا، نہ پوچھا اور رخصت ہو گئے۔ جب ابن عربی سے ان کی رائے معلوم کی گئی تو انھوں نے کہا کہ شہاب الدین سراپا شریعت اسلامیہ کا مظہر ہے اور سر سے پیر تک شریعت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اور جب سہروردی سے ابن عربی کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جوب دیا کہ ابن عربی حقائق کے عرفان کا ایک بے کراں سمندر ہے۔

سنہ ۶۰۱ھ میں ابن عربی بغداد گئے اور دس بارہ دن قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ان کے خیالات، خواب، مجاہدہ اور الہامات کا چرچا ہو چکا تھا اور صوفیائے کرام نے انھیں ایک عظیم ترین صوفی تسلیم کر لیا تھا۔ یہاں سے وہ واپس مکہ آئے جہاں سات سال تک مقیم رہے، فتوحاتِ مکیہ کی بنیاد یہیں پڑی۔ سنہ ۶۰۸ھ میں وہ پھر بغداد روانہ ہوئے جہاں کچھ عرصہ قیام کر کے عراق اور موصل روانہ ہو گئے۔ سنہ ۶۱۱ھ میں پھر ایک بار مکہ واپس آئے۔ اب اُن کی محفل میں بڑے بڑے علماء اور صوفی شریک ہوتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے اُن کے درس میں شریک ہونے کے لئے آتے تھے۔

وہ اکثر شعری زبان میں حقائق و رموز بیان کرتے۔ ان
کا اندازِ بیان تمام عرب مصنفین سے قطعی مختلف ہوتا۔
وہ اپنے طرز کے خود موجد تھے اور صاحبِ اسلوب مصنف
اور شاعر بھی تھے۔ ان میں فی البدیہہ شعر کہنے کی بے مثال
قوت تھی۔ علمی حلقوں کے علاوہ بادشاہ اور شہزادے بھی
اُن کی علمیت سے متاثر اور مرعوب تھے اور اُن سے دُعائے
خیر کے طالب رہتے تھے۔

ابن عربی نے جو روحانی مقامات حاصل کیے اور ان کی
ذات سے جو مشاہدات ہوئے ان میں مکہ کے قیام کو بڑا دخل
ہے۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کا نام بھی اسی
رعایت سے رکھا تھا اور اُسکے دیباچے میں اس کا اظہار
بھی کیا ہے کہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت
و اجازت کے مطابق لکھی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرفان حقائق
کی گرمی کا یہ عالم تھا کہ اگر میں اُسے کتابی صورت میں منتقل
نہ کر دیتا تو خود جل کر خاک ہو جاتا۔ یہ بات کچھ غلط بھی نہیں
ہے کہ انسان حقائق کو بہت دیر تک چھپا بھی نہیں سکتا۔
ابن عربی اپنے عقیدہ کے لحاظ سے "ظاہری" تھے یعنی وہی
عقیدہ رکھتے تھے جو عام مسلمانوں کا ہے۔ اُن کی رہنمائی ایک
اندرونی آواز (INNER VOICE) ضرور کرتی تھی مگر وہ باطنی

Check. Iqbal's criticism Arrest Nro: Space & Time governing purpose.

under advice, he shamed himself

Ilmi
Have written?
Correct.

نہیں تھے۔ ہم ان کے عقیدے کے متعلق خود ان کا اپنا بیان آگے چل کر ضبطِ تحریر میں لائیں گے۔ مذاہبِ عالم کے متعلق اُن کی رائے یہ تھی کہ تمام مذاہب اپنی اصل اور اصول کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں اور ایک ہی سمت رہنمائی کرتے ہیں۔

ابن عربی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک اجنبی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بغداد میں ایک عورت ہے جو آپ کی بے حد مداح ہے" میں نے یہ سن کر اپنے ایک مہینے کے طوافِ کعبہ کا ثواب اُسے بخش دیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ اجنبی پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں ایک باغ میں سویا ہوا ہوں، اونٹوں کی آواز سے بیدار ہو جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ ہزاروں اونٹ مُشک، عنبر اور جواہرات سے لدے کھڑے ہیں۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ مال کس کا ہے۔ جواب ملا ابن عربی کا۔ ایک عورت نے اُسے یہ تحفتہً پیش کیا ہے ابن عربی کہتے ہیں کہ میں یہ خواب سن کر بہت متحیر ہوا کیونکہ میں نے اُس عورت کو جو کچھ بخش دیا تھا اُس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا۔ بہرحال میں نے اُس عورت سے سبب دریافت کرایا تو اس نے بتایا کہ جس زمانے میں آپ طواف کرتے تھے، میں کعبہ

کے سامنے والے مکان کی کھڑکی سے دیکھتی رہتی تھی۔ ایک روز میرے گھر والوں نے آپ کی تعریف کی تو میں نے خوش ہو کر دوشنبہ اور جمعرات کی عبادت کا ثواب آپ کو بخش دیا" ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ عورت داد و دہش میں مجھ سے بھی بازی لے گئی ــــــ ابن عربی کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ اگرچہ وہ خوابوں کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں مگر ان عام لوگوں سے مختلف ہیں جو صرف خوابوں کی دنیا ہی میں کھوئے رہتے ہیں۔ ابن عربی دراصل حقائق کو خوابوں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں اور سچے خوابوں کو ایک طرح کا الہام ہی سمجھتے ہیں۔ ان کا سب سے اہم خواب وہ ہے جس میں ان کو رسول اللہؐ نے کتاب لکھنے کی اجازت دی تھی۔ انھوں نے اس کا حوالہ "فتوحاتِ مکیہ" کے دیباچہ میں دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ۔

"میں جب فتوحاتِ مکیہ کا دیباچہ لکھ رہا تھا تو میں نے خواب میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو الحضرۃ الالٰہیۃ میں موجود دیکھا۔ ان کے چہرے سے بڑا رعب و جلال ٹپک رہا تھا۔ یکایک ایک منبر نمودار ہوا۔ اس پر لکھا ہوا تھا "یہ مقام محمدؐ ہے جو اقدس و اعلیٰ ہے۔ جو صداقت و حقیقت کی تبلیغ کریگا وہ اس کو بطورِ وراثت پائے گا۔ عین اس

موقع پر مجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم و حکمت عطا ہوئے اور میں اُس منبر پر چڑھ کر وہاں پہنچ گیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے قریب ایک سفید کپڑا بچھا ہوا تھا۔ تاکہ میں مقامِ محمدؐ کی مخصوص تقدیس کو نہ چھو سکوں۔

اِس خواب میں ابن عربی نے اپنے اور رسول اللہؐ کے درمیان بڑی طویل گفتگو نقل کی ہے۔ اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ انھوں نے "فتوحاتِ مکیہ" میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کو الہامی طور پر معلوم ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو قلمبند کرنے کی اجازت دی تھی۔

اپنے علم وجدانی کے سلسلہ میں ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ایک روز جب وہ طوافِ کعبہ میں مصروف تھے تو انھوں ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ جو اپنی ہیئت کے لحاظ سے اس دُنیا کی مخلوق معلوم نہ ہوتا تھا۔ وہ بھی طواف میں مصروف تھا۔ اس نے ابن عربی کو ایک غیر مانوس نام سے مخاطب کیا جب انھوں نے بتایا کہ میرا نام یہ نہیں ہے تو اُس نے ان سے پوچھا کہ تم کس آدم کی اولاد ہو۔ ابن عربی نے جواب دیا کہ آدم تو ایک ہی ہے اس نے کہا تم غالباً آخری آدم کی اولاد سے معلوم ہوتے ہو اُس آدم سے پہلے ہزاروں آدم پیدا ہو چکے ہیں۔ اس

بیرونی دُنیا کی مخلوق نے ابن عربی کو کعبہ کے اندر لیجا کر بہُت سے اسرار و رموز سمجھائے اور خود کو اپنی اصل شکل میں ظاہر کیا۔ وہ جس گھوڑے پر سوار تھا اس کی تین ٹانگیں تھیں۔ اُس نے ابنِ عربی کو "حقیقتِ اشیا" کا علم سکھایا اور رخصت ہو گیا۔ یہ تھے وہ ذرائع جن کے سہارے ابن عربی نے اپنے شاہکار "فتوحاتِ مکیہ" کی بنیاد ڈالی اور مکہ کے قیام میں اُس کا بڑا حصہ پُورا کیا۔

انھوں نے اگرچہ کئی مرتبہ حج کیا لیکن ان کا حج کا تصور بھی عام لوگوں سے الگ تھلگ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ لوگ جو حج ادا کرتے ہیں وہ اُن کو بہت تھوڑی دیر نفع پہنچاتا ہے۔ احرام انھیں ایک مختصر وقفہ تک گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر اس کی روح کو سمجھ لیا جائے تو انسان پر اسرار و رموز کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ ان کی اس بات کو سمجھنے میں کئی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ وُہ اپنے عجیب و غریب خیالات کو شعر کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بعض اوقات وہ حقیقتوں کو مجاز کا رنگ دے دیتے ہیں اور تیسری مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کو پیچ در پیچ بیان کرتے ہیں۔ ان کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیامِ مکہ کے دوران انھیں کسی عورت سے عشق ہو گیا

تھا جو بے حد حسین اور دانش مند تھی۔ انھوں نے اُس کی شان میں متعدد قصیدے کہے ہیں۔ کلام میں تغزّل کی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جو سوائے عشق مجازی کے اور کسی صورت میں ممکن ہی نہیں مگر جب بقولِ غالب ع "شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے" کی صورت در پیش ہوئی تو انھوں نے فوراً اس کی تردید کردی اور ان اشعار کو فلسفۂ وحدت الوجود کے معانی پہنا دئے اور لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ مثلاً انھوں نے اپنی ایک نظم میں بیان کیا کہ میں تو اپنے محبوب کے حسین ٹخنوں اور کان کی بالیوں کے تصوّر سے بے خود ہوں اور اسی بے خودی میں کعبہ کا طواف کرتا ہوں۔ پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن نے ان کی ایک ایسی ہی غزل کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اصل غزل المقری کی مشہور کتاب "نفح الطیب" میں موجود ہے۔

ابن عربی کی قوتِ شعر گوئی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فی البدیہہ عربی کا ایک قطعہ کہا جس کا مفہوم یہ تھا "اے ذات جو ہمہ وقت مجھے دیکھتا ہے مگر جسے میں نہیں دیکھتا لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں جبکہ تو مجھے نہیں دیکھتا"۔ خدا کے بے خبر ہونے پر دوستوں نے اعتراض کیا تو انھوں نے

اس طرح فوراً تبدیل کر دیا کہ اس کے معنی تھے ۔" اے وہ جو مجھے ہمہ وقت آمادۂ گناہ دیکھتا ہے لیکن میں تجھے نہیں دیکھتا حالانکہ تو آمادۂ کرم ہے ۔ بارہا میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو میری مدد کرنے پر آمادہ ہے لیکن تو مجھے اپنی رحمت کا طالب نہیں دیکھتا" ۔ بہرحال ابن عربی کی شاعری نے افلاطون کی جرح سے بھی زیادہ دشواری پیدا کر دی ہے جہاں تک ابن عربی کے تغزل کا تعلق ہے وہ کوئی غیر فطری بات نہیں ۔ اگر وہ تاویل کے قابل نہ بھی ہو تب بھی ان کی عظمت پر کوئی دھبہ نہیں آتا ۔ وہ ایک انسان ہیں ، نہ فرشتہ ہیں نہ نبی ۔ عموماً ان کے اس طرح کے اشعار دوہرے مفہوم کے حامل ہیں اور ان میں کوئی فحش بات کے خیال کا شائبہ تک نہیں ہے ۔

شہرت وسخاوت

ابن عربی سنہ ۶۱۱ھ مطابق سنہ ۱۲۱۴-۱۵ء میں مکہ سے دمشق کے لئے روانہ ہو گئے ۔ سنہ ۶۱۲ھ میں کچھ دن کے لئے وہ حلب گئے ۔ اس وقت حلب کا گورنر ایک عیسائی تھا جو ابن عربی کے علم وفضل کا معترف تھا ۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے ابن عربی کا استقبال کیا اور ان کے رہنے کے لئے ایک بہت شاندار مکان عطا کیا ۔ یہاں کے قیام کے دوران ابن عربی نے ایشیائے کوچک کے

دوسرے شہروں کا دورہ بھی کیا۔ ہر جگہ ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں نے ان سے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں شیخ کی شہرت اپنے عروج پر تھی۔ اُمرأ و رؤسا، شہزادے اور بادشاہ اُن کے قدردان تھے۔ بڑی بڑی رقمیں ان کو نذر کی جاتی تھیں مگر وُہ ہمیشہ اس دولت کو غربا، اور مستحق لوگوں کو دیدیتے تھے ابن عربی کو پیسے سے نفرت نہیں تھی مگر وہ انتہائی سادہ زندگی گزارنے کو پسند کرتے۔ بعض وقت تو خود ان کے پاس دمڑی بھی نہ ہوتی۔ حلب میں وہ گورنر کے عطا کردہ عالیشان مکان میں مقیم تھے کہ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور ان سے سوال کیا۔

ابن عربی کے پاس اس وقت دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا، تاہم انھوں نے اُس کو خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیا اور اپنا عالیشان مکان اسے دے ڈالا۔ ان کی اِس سخاوت اور دریا دلی نے ان کی قدر و منزلت میں خاصا اضافہ کردیا۔ خود اُن کے مخالف اور دشمن بھی اُن کی علمی عظمت اور سخاوت کے معترف تھے۔

مستقل قیام گاہ ابن عربی نے اگرچہ بے شمار شہروں کی سیاحت کی لیکن دمشق میں اُن کا مستقل قیام تھا۔ دمشق کے قاضی القضاۃ شمس الدین احمد اُن پر پروانہ وار

شمار تھا جو عقیدہ کے لحاظ سے سُنّی اور فقہ کے لحاظ سے مالکی تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کی شادی ابن عربی سے کر دی تھی۔ وہ ان کے سامنے بے حد مؤدب رہتا اور کسی حکم سے سرتابی نہ کرتا۔ شہر میں معتقدین کی تعداد مخالفین سے بہت زیادہ تھی لہٰذا ان کی تصانیف کو زیادہ سے زیادہ نقل کر کے پھیلایا جاتا تھا۔ ان کی زیادہ زندگی یہیں بسر ہوئی اور بڑی حد تک پُرسکون رہی۔

دلو دو دہش کا اب تک وہی عالم تھا۔ ایک روز حمص کے گورنر نے ان کو ایک سو درہم بطور نذر بھیجے۔ تیس درہم ایک اور رئیس نے نذر کیے۔ مگر ابن عربی نے صرف چند درہم خرچ کے لئے رکھ لئے اور باقی اُسی وقت غریبوں کو تقسیم کر دیئے۔ قیام دمشق کے زمانہ میں وہ ہمہ وقت درس و تدریس یا تصنیف میں مصروف رہتے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق پچاس ساٹھ صفحے روزانہ لکھتے تھے۔

اُن کے شاگرد رشید صدر الدین قونوی کا بیان ہے کہ ابن عربی میں ایسے جوہر موجود تھے جن کو بیان کرنا مشکل ہے روحانی مراتب کا یہ حال تھا کہ وہ جب چاہتے انبیائے سلف کی ارواحِ مبارکہ سے بالمشافہ گفتگو کر لیتے اور ان کی آسمانی محفلوں میں حاضر ہو جاتے تھے۔ اپنی محفل میں ان

کو شریک کرتے۔ صدرالدین کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں ایک شخص روز ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اسی زمانے میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ابن عربی اُس کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ واپسی پر ان کے ملازم نے کھانا پیش کیا مگر شیخ نے کوئی توجہ نہ دی، شام تک حالتِ استغراق میں رہے پھر اچانک انھوں نے چونک کر کھانا طلب کیا جو حاضر کر دیا گیا۔ جب وجہ دریافت کی گئی تو بتایا کہ میں نے اللہ سے عرض کیا تھا کہ تو جب تک اس بندہ کو معاف نہیں کریگا میں نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ اس وقفہ میں میں نے ستر ہزار مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کیا اور آخر اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

وفات ابن عربی نے اٹھتر ۷۸ سال کی عمر پائی اور ۲۸ ربیع الآخر ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

شیخ نے اپنے بعد دو فرزند چھوڑے جن میں سے ایک زبردست شاعر تھے اور صاحبِ دیوان بھی ـــ دونوں لڑکوں کی قبریں بھی باپ کے قریب ہی جبلِ قاسیون پر موجود ہیں۔
شیخ کے معاصرین میں سے شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحدالدین کرمانی، فخرالدین عراقی اور ابن الفارض کے

نام قابلِ ذکر ہیں۔ بعد کے لوگوں میں ان کے سب سے بڑے مقلد عبد الکریم الجیلی (مصنف الانسان الکامل) اور مخالفین میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے نام نامی قابلِ ذکر ہیں جن لوگوں نے شیخ کی کتابوں کی اور خاص طور پر "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" کی شروح عربی میں لکھیں ان میں شیخ مویدالدین محمود الجندی، صدر الدین قونوی، داؤد بن محمود الرومی القیصری، مولانا جامی رح، کاشانی اور اِس دور کے ابو العلا عفیفی مصری قابل ذکر ہیں۔ فارسی شروح شاہ نعمت اللہ ولی اور مولوی محمد حسین کانپوری کی مشہور ہیں۔ اردو میں عبد الغفور، مولوی سید مبارک علی اور عبد القدیر صدیقی کے ترجمے اور شرحیں بھی منظرِ عام پر آئیں مگر مقبول نہ ہو سکیں۔ اوّل تو ابن عربی کو سمجھنا ہی مشکل ہے اور اردو میں بیان کرنا تو اور بھی مشکل ہے۔

روحانی سلسلے

جہاں تک شیخ اکبر کی روحانی نسبت کا تعلق ہے انھوں نے اپنے روحانی فیض کا ذریعہ حضرت خضر علیہ السلام کو اور روحانی تصرف کا منبع محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ پھر بھی صوفیائے کرام اور اُن کے شارحین نے اُن کے سلسلے حسبِ دستور بیان کیے ہیں جن میں دو یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

پہلا شجرہ

حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم،
حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت حسن بصریؒ،
حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت معروف کرخیؒ،
حضرت سری سقطیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابوبکر بن شبلیؒ،
حضرت عبدالعزیز بن حارث تمیمیؒ، حضرت ابوالفرح محمد بن عبداللہ
طرطوسیؒ، حضرت عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمیؒ، حضرت علی بن احمد
الہکاریؒ، حضرت ابوسعید المبارک بن علی المخزومیؒ، حضرت
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت ابوسعودؒ، حضرت محی الدین
ابن عربیؒ،

دوسرا شجرہ

حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم،
حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ، حضرت حسن بصریؒ،
حضرت عبدالواحد بن زیدؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت
ابراہیم بن ادہمؒ بلخی، حضرت ابو علی شفیق بن علی بن ابراہیمؒ
حضرت ابوتراب عسکر بن الحسین النخشبیؒ، حضرت ابوعمرو الاصطخریؒ،
حضرت جعفرؒ، حضرت ابو عبداللہؒ، حضرت حسن الاکارؒ، حضرت
ابواسحاق بن شہریار المرشدؒ، حضرت ابوالفتح محمود بن احمد
بن علیؒ، حضرت ابوالحسن علی بن محمد البصریؒ، حضرت ابوالفتح
محمد بن قاسم الفاسیؒ، حضرت محی الدین ابن عربیؒ،
ان شجروں پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی

ایسے ذہن کی پیداوار ہیں جو اِن لوگوں کی ولادت و وفات کی تاریخوں اور اُن کے وطنوں سے ناواقف ہے۔ اکثر شخصیتیں ایرانی ہیں۔ ابراہیم بن ادہم بلخی بھی متفقہ علیہ نہیں ہے۔ تاریخیں، ہمیں بلخ کے کسی ایسے شہزادے کا نام نہیں بتاتیں جو ابراہیم بن ادہم کی شخصیت بن سکے۔ ابراہیم بن ادہم کو شہزادہ بتایا گیا ہے۔ کوئی عام شخص ہوتا تو واقعی تاریخ سے کوئی واسطہ نہ ہوتا۔ بلخ بدھ مت کا ایران میں سب سے بڑا گڑھ تھا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ابراہیم بن ادہم کی جو سرگذشت بیان کی گئی ہے وہ تقریباً وہی ہے جو مہاتما بدھ کی ہے۔ بہرحال ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خود ابن عربی کسی سلسلے اور استفادے کے مُقر نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی روحانی تربیت اور فیض کے سلسلے میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضِ روحانی اور حضرت خضر علیہ السلام کے علم الاسرار سکھانے اور کیمیا کا نسخہ بتانے کا ذکر کیا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم خود اُنکے بیان کو جھٹلا کر دوسروں کے بتائے ہوئے ذرائع کو تسلیم کریں۔

شخصیت

شیخ اکبر کی شخصیت ایک لحاظ سے بڑی عجیب و غریب ہے۔ جو لوگ ان کی عظمت کے قائل ہیں وہ اُن کو عظیم ترین صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ مانتے

ہیں اور جو لوگ اُن کے خیالات سے متفق نہیں ہیں وہ اُن کو ملحدِ اعظم اور کافرِ اعظم کے خطابات سے نوازتے ہیں۔ خدا، رسالت، جنت و دوزخ، حشر و نشر اور ولایت کے متعلق اُن کے خیالات عام مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کو اُن کی تصانیف کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ ابن عربی لکھتے ہیں :-

"میرے مسلمان دوستو اور بھائیو! اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو۔ میں تمکو گواہ بناتا ہوں اور جن تک یہ بات پہنچے اُن کو بھی گواہ بناتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ سب اُسکے محتاج ہیں۔ الوہیت میں کوئی اُس کا ثانی نہیں۔ وہ بیوی بچوں سے پاک و منزّہ ہے۔ وہ سب کا مالک و خالق ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ بادشاہ ہے مگر کوئی اِس کا وزیر نہیں۔ وہ صانع ہے مگر کوئی اُس کو صنعت سکھانے والا نہیں۔ وہ موجود بالذات ہے کسی کی مدد اور تعاون کا محتاج نہیں۔ نہ وہ عرض ہے نہ جسم۔ نہ اُسکے لئے جہت ہے، نہ تقابل۔ کوئی شے اُس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔ اُس کا دیدار دل سے بھی ہو سکتا ہے اور آنکھوں سے بھی۔ یہ ساری کائنات اُس کی ہے۔ دنیا میں بھی اُس

کا حکم چلتا ہے اور عقبیٰ میں بھی۔ وہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ زمانہ اُس کو محدود و پابند نہیں کر سکتا۔ اُس کی کوئی مثال نہیں۔ کوئی مقام نہ اسے بلند کر سکتا ہے نہ پست، نہ دور کر سکتا ہے، نہ قریب۔ وہ زمان و مکان کا خالق ہے۔ وہ تمام مخلوق کا محافظ ہے اور یہ کام اُس کے لئے دشوار نہیں۔ اُس کی صفات خود عینِ ذات ہیں، اضافی نہیں ہیں، خارجی نہیں۔ وہ حیّ و قیّوم ہے، قادر و قہار ہے۔ وہ نہ کبھی تھکتا ہے، نہ سوتا ہے۔ اُس نے ازل سے ابد تک جو کچھ ہوگا اُسے لوحِ محفوظ پر لکھوا دیا ہے۔ اس نے تمام عالم کو بغیر کسی سابقہ نمونے کے پیدا کیا۔ اس نے ارواح کو اجساد کا پابند کیا۔ اپنا خلیفہ بنایا اور زمین کی ہر شے کو اس کا مطیع کر دیا۔ کائنات کا ایک ذرّہ بھی اس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ اللہ خالق ہے مگر محتاج مخلوق نہیں۔ مخلوق کا وجود میں آنا واجب نہیں تھا۔ جو کچھ پیدا کیا اُس کا علم اُسے پہلے سے تھا۔ اللہ ہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے اور تمام اسرار و رموز سے واقف ہے۔ کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں۔

اللہ لطیف و خبیر ہے، تمام اشیاء اور اُن کے عدد سے واقف ہے۔ وہ کلیات سے بھی باخبر ہے اور جزویات

سے بھی۔ اللہ عالم الغیب ہے اور قادر مطلق بھی۔ وہ خیر پر بھی قدرت رکھتا ہے اور شر پر بھی۔ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہے تو کوئی اسے باز نہیں رکھ سکتا اور جب باز رہے تو آمادہ نہیں کر سکتا۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہ اس کا مقابلہ کر سکے یا اُس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت اور حکومت یا دولت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت اور افلاس دیتا ہے۔ جب وہ دیتا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا اور جب چھینتا ہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ بغیر اللہ کے ارادے کے کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ بندہ لاکھ کوئی کام کرنا چاہے لیکن جب تک اللہ نہ چاہے وہ کام ہو نہیں سکتا۔

پس کفر و ایمان اور خیر و شر سب خدا کی طرف سے ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہے۔ اللہ نے عالم کو ایجاد کیا مگر نہ اس کے لیے فکر کی اور نہ جہل سے علم کی طرف رجوع۔ وہ ان حالتوں سے ارفع اور اعلیٰ ہے۔ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے ایک خواص ارادے اور خاص انداز سے بنایا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے، سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ وہ انسان کے دل کی بات سے بھی واقف ہے۔ وہ روشنی اور تاریکی دونوں کا خالق ہے۔ اُس سے کوئی چیز

حجاب میں نہیں۔ وہ نہ ساکت ہے نہ متحرک وہ خالق سکون و حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے مگر انسان کی طرح اُس کا کلام نہ حرف ہے نہ صَوت، نہ نغمہ نہ لغت۔ وُہ تو ان سب چیزوں کا خالق ہے۔ اُس کی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ اُسے کلام کے لئے انسان کی طرح اعضا کی ضرورت نہیں۔ اُس کی سلطنت عظیم ہے مگر کوئی اُس کے انتظام میں شریک نہیں۔ اللہ کو نہ کوئی نفع ہوتا ہے نہ نقصان۔

میں گواہ بناتا ہُوں فرشتوں کو، انسانوں کو اور تمام مخلوق کو کہ میں توحیدِ الٰہی کا قائل ہُوں۔ محمدؐ رسول اللہؐ کو اللہ کا سچا، برحق و برگزیدہ نبی اور رسول تسلیم کرتا ہُوں اللہ کی توحید، رسول اللہؐ کی رسالت اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایمان رکھتا ہُوں۔ رسول اللہؐ بشیر و نذیر ہیں، نبی آخر الزماں ہیں، خاتم النبیین ہیں۔"

(دیکھئے فتوحاتِ مکیہ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۶)۔

ابن عربی کا فلسفۂ وحدت الوجود

ابن عربی کا فلسفہ دنیا کے مشکل ترین فلسفوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی تو یہ کہ ابن عربی کا

اسلوب بیان بڑا دقیق اور پُر پیچ ہے۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے اپنے فلسفہ کو اکثر و بیشتر نظم میں بیان کیا ہے اور تیسرے یہ کہ نہ صرف اسرار و رموز کو بلکہ تمام فلسفیانہ عقائد کو قرآن و حدیث کی مدد سے بیان کیا ہے۔

ابن عربی سے پہلے بھی فلسفۂ توحید دنیا میں موجود تھا اوراس توحید کی وجہ سے وحدت الوجود، کا تصور بھی قائم ہو چکا تھا مگر ابن عربی کو اُس وحدت الوجود سے اتفاق نہیں تھا کہ جو بھارت، ایران، مصر میں موجود تھا۔ دوسرے لفظوں میں ان کو وید، زردشتی لٹریچر، یہودی اور نصرانی فلسفہ میں ثنویت کی بُو آرہی تھی۔ قبل بعثت رسول اسکندریہ کے مشہور و معروف فلسفی فلاطونس نے نظریہ "فیضانِ وجود" جسے تصوف کی زبان میں "وحدت الشہود" اور "ہمہ از اوست" کہتے ہیں پیش کیا تھا اور پہلی مرتبہ فلسفہ و مذہب کا ہاتھ ملوایا تھا۔ اس نے عرش، کرسی، قلم، کلمہ، تنزیہہ و تشبیہہ کو پہلی مرتبہ مذہبی رنگ دیکر پیش کیا تھا۔ مسلمان مفکرین اور صوفیوں نے یہ فن اُسی سے سیکھا تھا۔

فلاطونس کا فلسفہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے روزِ ازل سب سے پہلے عقلِ اوّل کو پیدا کیا اسی

عقلِ اوّل" کو روحِ کائنات، کلمہ، عرش اور کرسی کہتے ہیں۔ یہ سب مترادفات ہیں۔ اسی عقلِ اوّل کے ذریعہ "اعیانِ ثابتہ" اور اُن سے تمام کائنات کو پیدا کیا گیا تھا۔ اس لئے تمام اشیاء کا مرجع حقیقی عقلِ اوّل ہے۔ ابن عربی کو جس چیز پر اعتراض تھا وُہ یہ کہ 'عقلِ اوّل' کو قائم بالذات' اور واجب الوجُود' کا درجہ دے دیا گیا تھا 'کُن' کا مخاطب خود خدا نہیں تھا بلکہ ماسوا تھا اور کسی 'ماسوا' کا وجُود خواہ اُسے "عدم" ہی کیوں نہ کہا جائے "وجود" کے مترادف ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ "نہ ہونا" بھی تو ایک طرح کا "ہونا" ہے۔ ابن عربی نے وحدت الشہُود" اور مسلمان صوفیوں کے نظریہ اتحاد' (یعنی جزو وکل کا جمع ہو جانا) اور حلول کو شرک قرار دیا تھا۔ وُہ کہتے تھے کہ جب اوّل و آخر صرف اللہ ہے تو وہ ابتدائے آفرینش میں لفظ "کُن" سوائے اپنی ذات کے کسی شے سے نہیں کہہ سکتا تھا اور اگر واقعی خدا کے علاوہ کوئی شے قدیم تھی تو پھر خدا کی توحید باقی نہیں رہتی۔ ثنویت قائم ہو جاتی ہے اس لئے اِن کا نظریہ 'وحدت الوجود" ثنویت سے پاک ہے۔ اُن کے خیال میں یہ تمام مخلوق اور کائنات خارجی نہیں۔ بلکہ ذاتِ احد کے لئے ایک داخلی حیثیت رکھتی ہے۔ 'کُن' کا مخاطب وہ خود تھا

نہ کہ ماسوا مگر یہ بات شریعت اسلامی اور ادیان عالم کے تمام نظریاتِ معاد کو درہم و برہم کر دیتی ہے۔ خیر و شر، سزا و جزا اور حشر و نشر کے قضیے ختم ہو جاتے ہیں اور اگر ختم نہ ہوں تو الجھ ضرور جاتے ہیں۔

خدا کا تصور

ابن عربی ذاتِ خداوندی کے متعلق صرف اس کی جہتِ انتزاعی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے تمام کائنات کو جو لفظِ "کُن" کہا تھا وہ خود اپنی ذات کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ اُس کے سوا خارج میں کوئی ایسی شئے موجود نہیں تھی جس کو مخاطب کر کے کچھ سے کچھ ہو جانے کے لئے حکم صادر کیا جاتا۔ اشیا کا عدم خود ذاتِ خداوندی کی ایک اندرونی کیفیت ہے نہ کہ خارجی حالت۔ دراصل خالق نے مخلوق کے اندر خود اپنے آپ کو جلوہ آرا بنایا اور اسی لئے اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے۔ اللہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ جب اُس نے اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا چاہا تو کائنات کو اور پھر انسان کو پیدا کیا۔ انسان کو اپنی صفات میں سے بہت سی صفتیں عطا فرمائیں اور خود اپنے جمالِ جہاں آرا کو ملاحظہ فرمایا۔

اپنی ذات کو صفات کے ذریعے ظاہر کیا۔ اللہ کے اسمائے حُسنیٰ انسانی صفات کی بنیاد بن گئیں اور آدم وابن آدم کو زمین پر نیابت الٰہی سونپ دی گئی۔ اُس کو علم کے لحاظ سے فرشتوں پر سبقت دی گئی۔ ابن عربی کہتے ہیں "خدا کا نہ آغاز ہے نہ انجام۔ ہم سب اُسی سے وجود میں آئے ہیں اور اسی میں واپس جذب ہو جائینگے اسی لئے وہی اوّل اور وہی آخر ہے"۔

(فصوص الحکم۔ فص الآدمیہ)۔

اللہ کا عرفان دو طرح کا ہے، ذاتی اور صفاتی۔ اُس کی ذات کا عرفان حواس خمسہ سے ممکن نہیں، صفات کا عرفان ممکن ہے۔ انسان اللہ کی صفات کا آئینہ ہے اور خود پر قیاس کر کے اللہ کی صفات و مخلوقات کو سمجھ سکتا ہے لیکن حواسِ خمسہ کے علاوہ بھی ایک قوت ہے جو خالص رُوحانی ہے اور ایک حالتِ انتزاعی ہے جس کے ذریعہ تجلّیِ ربانی ممکن ہے۔ اللہ کی صفات ریت کے ذرّوں کی طرح بے شمار ہیں۔ اُس کی قوتوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ اُس کی قوتیں اور اُس کے نام ظاہر میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں مگر درحقیقت وہ مختلف نہیں ہیں۔ ایک ہی قوت کے مختلف مظہر اور مختلف نام

ہیں۔ اللہ کا قہار ہونا بھی رحمت سے خالی نہیں ہے۔ اللہ بنیادی طور پر رحمان ورحیم ہے۔ اس کی دی ہوئی ہر سزا میں ایک جزا پوشیدہ ہوتی ہے۔

خدا کو سمجھنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ جس نے خود کو سمجھ لیا وہ خدا کو بھی سمجھ لے گا۔ جس انسان کو یہاں کچھ نظر نہیں آتا اُسے وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئیگا۔ یعنی جس نے یہاں مظاہر قدرت میں خدا کو جلوہ گر نہیں دیکھا وہ وہاں بھی خدا کی تجلی سے محروم رہے گا۔ (فصوص الحکم۔ اردو ترجمہ۔ صفحہ ۳۳)۔

حقیقی وجود صرف ذاتِ خداوند ہے ورنہ تمام اشیاء اور حقیقتِ اشیاء فریب ہیں۔ خدا ہی ہر شے کی اصل ہے۔ خالق ومخلوق اصطلاحات تشبیہی ہیں۔ ان کی انتزاعی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ ہر شے اعیان ثابتہ میں، اعیان ثابتہ حقیقت محمدی میں، اور حقیقتِ محمدی اللہ میں ضم ہو جائے گی اور ایک دن یہ ہنگامہ کون وفساد ختم ہو جائیگا۔ جس طرح مختلف شیشوں میں ایک ہی شے کا عکس مختلف نظر آتا ہے اسی طرح ایک ہی حقیقت کائنات کے مختلف درجوں اور دنیا کی مختلف شکلوں میں مختلف نظر آتی ہے، درانحالانکہ مختلف نہیں ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں

کہ اگر حضرتِ نوح نے لوگوں کو وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت سمجھا دی ہوتی تو وہ ضرور ان پر ایمان لے آتے " (فصِ نوحیہ)۔

اِس وحدت و کثرت کے متعلق ابو سعید الخراز کا قول ہے کہ اگر جلووں میں اس قدر رنگا رنگی نہ ہوتی تو خدا کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ حقیقی معنوں میں وہی وہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ وہی واقعی سمیع و بصیر ہے، ہماری قوتِ سمع و بصر فریب ہے۔ تمام اشیاء کی حقیقت ایک ہے "خود حقیقتِ خالق و مخلوق ایک ہے"۔ کثرت وہی ہے جو وحدت ہے اور وحدت وہی ہے جو کثرت ہے (فصِ ادریسیہ)۔ یہ دنیا مظہرِ قدرتِ خداوندی ہے۔ وہ ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔ اعیانِ ثابتہ اصطلاحی معانی میں مخلوق ہیں لیکن وہ عینِ حق ہیں۔ مخلوق خالق سے علیحدہ کوئی قائم بالذات شے نہیں۔ جب کوئی ایک شے دوسرے میں نفوذ کرتی ہے تو در اصل ایک شے دوسری شے میں چھپ جاتی ہے۔ خدا کو ہم اُس کی صفات اور مخلوق ہی کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ غزالیؒ کا یہ کہنا کہ اُسے بغیر مخلوق کے بھی پہچانا جا سکتا ہے غلط ہے۔ وہ خدا جو ہمارے حواس کے ذریعہ اپنی ذات سے پہچانا جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا ہمیشہ تخلیق میں مصروف رہتا ہے اور ایک سے ایک نئی

مخلوق پیدا کرتا رہتا ہے تاکہ اُس کی قدرتِ کاملہ عیاں اور ظاہر ہو جائے اور وہ ہر رنگ میں پہچانا جائے۔

انسان کو انسان کے سایہ سے اور عالمِ صغیر کو عالمِ کبیر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ ہم انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ خدا جن کی آنکھ بن جاتا ہے، کان بن جاتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہے۔ وحدت و کثرت ذاتِ احد کی دو جہتیں ہیں۔ خدا کی وحدت ایک ایسی اکائی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا وہ لوگ جو اہلِ بصیرت ہیں خدا کو ہر شے میں جلوہ گر دیکھ سکتے ہیں۔ کوئی شے خدا کے لئے غیر نہیں۔ اسی لئے وہ لوگ جو خدا کے بجائے اوروں کی عبادت کرتے ہیں دراصل خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں حقیقی شرک کی اس کائنات میں کوئی گنجائش نہیں۔ گناہ قانونِ شریعت کی خلاف ورزی ہے نہ کہ مشیت الٰہی کی۔ ہمارا کوئی فعل مشیت الٰہی کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف قوانینِ شریعت کے خلاف ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شے جو مخلوق ہوتی ہے کلمۂ الٰہی ہوتی ہے اور کلمہ فنا نہیں ہوتا" (فصِ عیسوی۔ فصوص الحکم)۔ ہر شے فنا ہوتی ہے مگر اس کی حقیقت یعنی اصلیت فنا نہیں ہوتی۔ ابن عربی بت پرستی کی تمام اقسام کو شرک نہیں سمجھتے اس لئے کہ بعض بت پرست ان دیوتاؤں یا بتوں

کو خدائے حقیقی نہیں مانتے وہ اپنے اور خدا کے درمیان اُن کو ایک ذریعہ بناتے ہیں۔ ابن عربی کے خیال میں عرفانِ الٰہی یہ ہے کہ ہر شے میں دیدارِ الٰہی حاصل ہو جائے۔

نبوّت و رسالت

ابن عربی کے ہاں 'خیر کثیر' کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایمان، ولایت، نبوّت و رسالت۔ ابن عربی کے یہاں شیعہ فلسفے کی طرح ولایت کا درجہ نبوّت سے بڑا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر نبی لازمی طور پر ولی بھی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا۔ ولایت خدا کا قرب اور دوستی ہے جس کا ذریعہ عرفانِ الٰہی ہے۔ ہر ولی ذاتِ خداوندی اور جہتِ احدیت سے باخبر ہوتا ہے۔ نبوّت کوئی اکتسابی شے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور جسے وہ یہ منصب عطا کرتا ہے وہ ہمیشہ نیک سیرت، خوبصورت اور ولی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں خیر ہیں۔ اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان نبی اور رسول ہی وہ ذریعہ ہوتے ہیں جو قوانین کے ماتحت خیر و شر کا رشتہ قائم کرتے ہیں۔ ہر نبی یا رسول جس طرح ضروری طور پر ولی ہوتا ہے۔ اسی طرح "خلافتِ الٰہیہ" کی دولت

سے بھی سرفراز ہوتا ہے اور اسے خلافتِ خاص میسر آتی ہے۔

اِس ولایت و نبوّت کے فرق سے یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ صوفیائے کرام نے نبی اور رسول سے بھی اعلیٰ تر اور افضل تر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ وہ علم جو ہم کو دیا گیا ہے پیغمبروں کو بھی نہیں دیا گیا اور اِس کے لیے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی مثال کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ پہلی بات تو یہ کہ حضرت خضرؑ بذاتِ خود نبوّتِ غیر تشریعی سے سرفراز ہیں۔ اُن کو کبھی اور کہیں ولی نہیں لکھا گیا ہمیشہ وہ پیغمبروں کی صف میں شامل رہے ہیں۔ حضرت خضر یا کسی بھی شخص کے ذریعہ حضرت موسیٰ کی توہین مقصود نہیں تھی بلکہ یہ جتانا مقصود تھا کہ علم کی کوئی انتہا نہیں۔ بتانا یہ تھا کہ اللہ کی مخلوق میں ایک سے ایک بہتر اور افضل موجود ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہمارے رسول افضل الانبیاءؐ ہیں مگر ہم کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ ہم کسی کو کسی پہ فضیلت دیں اس لئے کہ اُس میں توہین کا پہلو مضمر ہوتا ہے۔ مجھے تو یہ قول جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے بزرگ سے منسوب کیا گیا ہے، الحاقی معلوم ہوتا

ہے۔ ولایت اور امامت کو نبوت و رسالت سے علیحدہ اور برتر مقام قرار دینے کا مطلب صرف یہ ہے کہ پیغمبروں کی عظمت اور خود محمد رسول اللہؐ کی شان و شوکت ولیوں اور اماموں کے مقابلہ میں کمتر ہو جائے۔

ابن عربی نے نبوّت کو دُو اقسام میں تقسیم کیا تھا۔ نبوّتِ تشریعی اور نبوّت غیر تشریعی ان کے خیال میں نبوّتِ تشریعی محمد رسول اللہ پر ختم ہو گئی لیکن نبوّتِ غیر تشریعی جاری ہے اور جاری رہے گی۔ مرزا غلام احمد قادیانی ایسی نبوت کو ظلی نبوت کہتے ہیں لیکن اس "ظلی نبوت" کا قرآن اور حدیث سے کوئی جواز نہیں ملتا۔ ابن عربی کے خیال میں ایک اور نبوّت بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ کسی بھی متقی اور عالمِ دین کو اجتہاد کے لئے وجدانی کیفیتوں کے ذریعہ آسمانی اسرار و رموز معلوم ہو جاتے ہیں۔ (فتوحات۔ جلد ۲ صفحہ ۲۵۴۔ ۲۵۵)

ابن عربی کہتے ہیں کہ ہر رسُول کا نبی ہونا ضروری ہے اور ہر نبی کا ولی ہونا لازمی ہے۔ ہر ولی اس کا اہل ہوتا ہے کہ اسے الہام ہو مگر اُسے ضروری طور پر نبوت نہیں ملتی۔ سُنّی علماء ایسے لوگوں کو "مبشرین" و "مجتہدین" کہتے ہیں۔ ان کے لئے نبی کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔

وحی

ابن عربی نے الہام اور وحی کی بہت سی قسمیں بیان
کی ہیں۔ خود قرآن کریم کی روشنی میں وحی انسانوں کو بھی
ہوتی ہے اور جانوروں کو بھی۔ مردوں کو بھی اور عورتوں
کو بھی۔ جانوروں میں چیونٹی اور شہد کی مکھی۔ عورتوں میں
حضرت مریمؑ اور حضرت موسیٰ کی والدہ قابلِ ذکر ہیں لیکن
یہ وحی وہ وحی نہیں ہوتی جو پیغمبروں کو آتی ہے اور اگر
ایسا ہوتا تو عورتیں پیغمبر ضرور ہوتیں۔ جانوروں میں یہ
وحی وقتی نہیں ہوتی بلکہ اُسے دوام ہوتا ہے۔ مثلاً شہد
کی مکھی اور چیونٹی کو بذریعہ وحی ابتدائے آفرینش میں ایک
ایسا شعور عطا کر دیا گیا کہ جس کے ذریعہ وہ قیامت تک
ایک خاص دائرۂ عمل میں مصروف رہیگی۔ شہد کی مکھی کا
چھتا بنانا۔ پھولوں کے رس سے شہد تیار کرنا، اپنی ملکہ چننا
چونٹیوں کا ایک نظام قائم کرنا، غلہ جمع کرنا، ڈیوٹیاں تقسیم
کرنا، ایک خاص نسل کی چیونٹیوں پر مشتمل فوج بنانا سب
انھوں نے اُس وحی کے ذریعہ سیکھا تھا جو ان کی پیدائش
کے وقت اُن کو ہوئی۔ جانوروں کی وحی وقتی یا زمانی
نہیں ہوتی اور بار بار نہیں ہوتی۔ عورتوں کو جو ہدایات

ملیں وہ وقتی اور زمانی ہونے کے علاوہ کسی فوری ضرورت سے تعلق رکھتی تھیں لیکن نبیوں کو جو وحی کی گئی وہ خود اُن کی ذات کے بجائے دوسرے لوگوں کی حالت، اخلاق اور خیر و شر سے تعلق رکھتی تھی۔ اس میں ایک وحی وہ تھی جو قانون بن جاتی تھی۔ دوسری قسم وہ تھی جو اس سے پہلے کی وحی کی تجدید اور ترویج کرتی تھی۔ یہ نبوت غیر تشریعی تھی۔ وحی کے ذرائع مختلف ہوتے ہیں۔ سچے خواب بھی وحی کی ایک قسم ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بعثت سے پہلے سچے خواب آتے تھے (فتوحات مکیہ۔ جلد ۲ صفحہ ۵۸)۔

ختم نبوت و ختم رسالت

ابن عربی نبوت و رسالت کو محمد رسول اللہؐ پر ختم سمجھتے ہیں مگر صرف بحیثیت نبوت تشریعی۔ یعنی اب ان کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی مگر ایسا نبی آسکتا ہے جو اُن کی لائی ہوئی شریعت کی تجدید کرے۔ اس نبی کا اکتساب ذاتی اور بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ رسول اللہؐ کے واسطے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ولایت ایک جاری و ساری شئے ہے مگر اس میں ایک خاتم ہوتا ہے اور خاتم الاولیا وہ

خود ہیں (یعنی ابن عربی خود خاتم الاولیا ہیں) اور آئندہ جو اولیا ہونگے وہ ان سے کمتر درجہ کے لوگ ہوں گے۔

حقیقت محمدیہ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے الھباء کو پیدا کیا اور اس میں حقیقت محمدیہ کو پوشیدہ رکھا۔ الھباء کا عدم مکان کی وجہ سے کوئی مکان نہ تھا اور تعینِ وقت نہ ہونے کی وجہ سے زمان نہ تھا۔ مقصدِ پیدائش یہ تھا کہ اس کے ذریعہ قدرتِ خداوندی کا اظہار کامل ہو ہر شے اپنی اصلیت کے مطابق پہچانی جائے اور درجات قائم ہو سکیں۔ عالمِ اصغر اور عالمِ اکبر دونوں ہی میں اُس کا جلوہ موجود ہو۔ "عالمِ اصغر" انسان ہے اور "عالمِ اکبر" یہ کائنات۔ اور انسان اُن تمام قوتوں کا جو کائنات میں موجود ہیں مظہر کامل ہے۔

معلوماتِ عالم

معلوماتِ عالم چار طرح کی ہیں۔ اوّل قسم وہ ہے جو صرف اللہ کے علم کی ہے کسی دوسرے کو میسّر نہیں اور کسی چیز کے لئے معلول یا علت نہیں بلکہ بذاتِ خود موجود ہے۔ اُس کا علم ذاتی ہے، اکتسابی نہیں ہے۔ ذاتِ الٰہی کی کوئی

مد نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ مشابہت
نہیں رکھتا۔ اس کی صفت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور وہ فرماتا ہے
وَیُحَذِّرُکُمُ اللہُ نَفْسَہٗ ہ اور اللہ تم کو اپنی ذات کے معاملہ سے
روکتا ہے۔ اسی لئے ذاتِ الٰہی میں فکر کرنے کی ممانعت ہے
معلوم دوئم = وہ حقیقت کلیہ ہے جو حق اور عالم کے
لئے ہے نہ تو وجود کے ساتھ ہے نہ عدم کے، نہ حدوث و قدم
کے ساتھ متصف بلکہ وہ جس جہت سے متعلق ہو اس کی صفت
وہی ہوتی ہے۔
معلوم سوئم = معلوم سوئم سے مراد سارا عالم کون و فساد
ہے اور سارے افلاک و عوالم۔
معلوم چہارم = معلوم چہارم سے مراد انسان یعنی خلیفۃ
اللہ فی الارض ہے۔ اللہ نے اسے اس عالم میں اپنا نائب اور حاکم
مقرر کیا اور فرمایا سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا ہ جو کچھ
آسمانوں اور زمین میں ہے، اسے تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا
ہے تاکہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا سبب عبادت بتلایا
ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ہ ہم نے انسان اور جنوں کو
صرف عبادت کے لئے پیدا کیا اور اس کی عبادت یہ ہے کہ
اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کی جائے، زندگی کے ہر

فنعیہ میں قوانین کی پابندی کی جائے، جو کچھ غیب ہے اُس کے لئے مقدر ہوا اس پر صبر کیا جائے۔ آدمی کی روح نفسانی صرف تقویٰ اور صبر کے ذریعہ ہی غلاظتوں سے پاک ہو سکتی ہے اور جس قدر یہ کثافت کم ہو جاتی ہے اتنا ہی روحانی ترقی کا راستہ ہموار ہوتا جاتا ہے۔ انسان کی روحانی ترقی کی سب سے بڑی رکاوٹ نفسانی خواہشات کا بے قابو ہونا ہے۔

ابنِ عربی کے خیال کے مطابق آدمؑ کی پیدائش اس کرۂ ارضی کی پیدائش کے سترہ ہزار سال بعد ہوئی اور اس پیدائش کو اس وقت تک آٹھ ہزار سال ہو چکے تھے حضرت آدم کو اللہ نے دونوں طرح کی خلافت عطا کی تھی یعنی خلافت عامہ بھی اور خلافتِ خاصہ بھی۔ خلافتِ عامہ کی حیثیت جنسی تھی جو آج بھی بنی نوعِ انسان کو دوسری مخلوق پر فضیلت حاصل ہونے کی وجہ سے حاصل ہے اور خلافتِ خاصہ نبوت ہوتی ہے جو اللہ کی مرضی سے اسکے بندوں کو ملتی رہی ہے

خدا نے جب آدم کی مٹی اپنے دونوں ہاتھوں سے خمیر فرمائی اور اُس کی بو بدل چکی تو اس کی صورتگری کی اور اس کی نسل کو اچھے اور بُرے نفوس کی جگہ قرار دیا۔ دائیں مٹھی میں سعید اور بائیں میں اشقیا تھے جو لوگ دائیں طرف تھے وہ نیک عمل کرنے والے اور جو بائیں طرف تھے وہ بُرے عمل کرنے والے تھے۔ یہ سب کچھ اُس وقت

ہوا جب برجِ سُنبلہ کا زمانہ تھا۔ خدا نے آدم کو مندرجہ ذیل
چھ جہتیں عطا فرمائیں :-

۱۔ فوق ۔ جو اس کے سر سے ملتی ہے۔
۲۔ تحت ۔ جو اس کے پاؤں سے ملتی ہے۔
۳۔ یمین ۔ جو اس کے قوی پہلو سے ملتی ہے۔
۴۔ شمال ۔ جو اس کے کمزور پہلو سے ملتی ہے۔
۵۔ امام ۔ جو اس کے چہرہ سے ملتی ہے۔
۶۔ خلف ۔ جو اس کی پشت سے ملتی ہے۔

خدا تعالیٰ نے اس کو صورت عطا کی اور درست فرمایا پھر اس میں اپنی روح پھونکی جو اس کے اجزا میں سرائت کر گئی تھی اور اس میں اخلاط کے ارکان پیدا ہو گئے جن کو صفرا سودا، خون اور بلغم کہتے ہیں۔ صفرا رکنِ آتشی سے پیدا ہوا۔ سودا کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا۔ خون کو ہوا سے اور بلغم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اُس نے قوتِ جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، نمو، حاسہ، خیالیہ، حافظہ و ذاکرہ وغیرہ کو پیدا کیا۔ جب آدمؑ کو حیات عطا ہوئی تو وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ مقرر کیے گئے۔

پیدائشِ حوّا

آدم علیہ السلام کا جسم جب وجُود میں آیا تو اِس میں اور قوتوں کے علاوہ قوتِ شہوانیہ بھی موجُود تھی اور اللہ تعالیٰ کے علم میں توالد و تناسُلِ انسانی مقدر تھا۔ پس اللہ نے آدم کی چھوٹی پسلی سے حوّا کو نکالا اسی لئے عورت کا درجہ مرد سے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲-۱۲) یعنی مرُدوں کا درجہ عورتوں سے بڑا ہے۔ عورت آدم کی پسلی سے اِس لیئے پیدا کی گئی تاکہ اُس میں شفقت و محبت زیادہ ہو۔ عورت اپنے خاوند سے اور اُس کے بیٹے سے سب زیادہ محبت کرتی ہے اور جب مرد عورت سے محبت کا اظہار کرتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ سے ہی محُبت کا اظہار کرتا ہے۔ جب اللہ نے اُسے شہوت سے پُر کر دیا تو آدمؑ اُس کی طرف راغب ہوئے۔ حوّا بھی آدم کی طرف مائل ہوئیں مگر بڑے محتاط انداز میں۔ عورت کو اللہ نے اپنی محُبت کے اخفا کی قوت عطا کی ہے، عورتوں کو مردوں کا اور مردوں کو عورتوں کا لباس قرار دیا ہے۔ یعنی عورتیں مردوں کے تقوٰے کا باعث ہیں اور مرد عورتوں کے تقوٰے کا۔ جب آدم نے حوّا سے مباشرت کی تو حوّا کے جسم کے اندر یعنی رحم میں ایک تیسرے جسم نے جنم لیا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے

نطفہ سے علقہ، علقہ سے مُضغہ اور مُضغہ سے گوشت اور ہڈیاں پیدا کیں۔ جب بعد کی دنیا میں لوگوں نے اعتراض کیا کہ عورت کے مادۂ منویّہ سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر مردانہ مادۂ منویہ کے پیدا کر کے دکھایا اور اُن کی پیدائش کو حضرت آدم کی پیدائش سے مِلتا جلتا قرار دیا۔

شریعت محمدی ابن عربی نے محمدؐ رسول اللہؐ کی تعریف کرتے ہوئے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے کہ رسُول اللہؐ سے پہلے تمام شریعتوں میں بھی محمدؐ رسُول اللہؐ کا اثر و نفوذ ایک باطن کی حیثیت رکھتا تھا جو خود اُن کے لئے مکمل ترین احکامات کی شکل میں ظاہر ہو گیا اور پھر پہلی شریعتوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ رسُول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹّی کے درمیان تھے۔ اس میں انھوں نے اپنے لئے کُنتُ نبیاً فرمایا ہے۔ لفظ نبی بتاتا ہے کہ ان سے پہلے بھی تمام نبیوں پر اُن کی نبوّت کا اثر و نفوذ جاری و ساری رہا ہے رسُول اللہؐ کے ظہور کا زمانہ بُرج میزان کا تھا لفظِ میزان کے معنی عالمِ کون میں "عدل" ہیں اور یہ برج معتدل ہے اسی کا اثر ہے کہ رسُول اللہؐ کو سب سے زیادہ اُمتی میسر آئے

علومِ اوّل و آخر سے اللہ نے نوازا۔ پہلی اُمتوں میں برودت اور یبوست کا اثر زیادہ تھا اسی لیے ان میں علماءٔ گنتی کے تھے لیکن اُمتِ محمّدیہ میں ان کی تعداد بہت بڑی ہے اور یہ لوگ پہلی امتوں کے لوگوں سے زیادہ باکمال ہوئے ہیں۔ رسُول اللہؐ نے اپنی اکملیت کے متعلق صاف لفظوں میں فرمایا تھا کہ اگر آج حضرت موسٰیؑ بھی موجود ہوتے تو اُن کے لئے سوا میری پیروی کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ایک طرف رسول اللہؐ کے روحانی دبدبہ کا یہ حال ہے تو دوسری طرف اعتدال پسندی کا یہ عالم کہ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ تم دنیاوی معاملات میں اپنی مصلحتوں کو بہتر سمجھتے ہو۔ اپنے کام اپنی مرضی سے کرو۔ صرف خیر اور عدل پر قائم رہو۔ شرک اور کفر نہ کرو اور کوئی ایسی بات نہ کرو جو رُوحِ اسلام کے خلاف ہو۔

ابن عربی کہتے ہیں کہ انسانوں کے لئے شریعتیں اس لئے بھیجی گئی ہیں کہ وہ اپنے اخلاق کو سنواریں اور اللہ کے حکم کے تابع رہیں چونکہ اخلاق کے احکامات حالات کی مناسبت سے مختلف ہوتے ہیں اس لئے ایک صاحبِ خلق کو اُن کے علم کی شدید ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ قربتِ الٰہی حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ زود اس

بات پر دیتا ہے کہ لوگ اپنے ماں باپ کا ادب اور احترام کریں۔ اُن کے سامنے زور سے نہ بولیں، نہ ان کو جھڑکیں۔ وَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ دوسرے یہ کہ لین دین میں بے ایمانی نہ کرو اس لئے کہ اس سے نظام عدل اور سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے۔ کم نہ تولو، جھوٹ نہ بولو، زنا نہ کرو، شراب نہ پیو، جوا نہ کھیلو، سود نہ لو، ان سب باتوں کا مطلب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ معاشرے میں عدل وانصاف کا خون نہ ہو اور امن وامان برقرار رہے جو مذہب کی بنیادی ضرورت ہے۔

ابن عربی کہتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر شے زندہ، گویا اور بینا ہے۔ انھوں نے خود جمادات ونباتات کو تسبیح وحمدو ثنا میں مصروف پایا ہے۔ یہ حمد وثنا عام لوگوں کو سنائی نہیں دیتی لیکن جن لوگوں کو اللہ نے قوتِ سماعت عطا کی ہے وہ اس حمد وثنا کو بآسانی سن سکتے ہیں مولانا رومؒ نے جو ابن عربی کے شاگرد صدرالدین قونوی کے شاگرد رہے تھے۔ اپنی مثنوی میں بھی اس خیال کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

ابنِ عربی کہتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں انبیا واولیأ اللہ کے بے حد پسندیدہ بندے ہوتے ہیں۔ نبی یا ولی وہ

ہوتا ہے جس کو اللہ اُمّت کی خدمت کے لئے مقرر کر کے اُس پر اپنی خاص عنایت فرماتا ہے۔ ایک ولی کامل شریعتِ محمدیہ کے اسرار و رموز کو سمجھتا ہے اور اسے کشفی حالت میں کلامِ الٰہی اور کلام رسولؐ کے اسرار کھلتے معلوم ہوتے ہیں۔ اُسے ایسا لگتا ہے گویا یہ سب خود اُس پر از سرِ نو نازل ہو رہا ہے اور پھر وہ ان تاثرات کو خود اپنے نفس کی اصلاح اور عوام الناس کی اصلاح کے لئے استعمال کرتا اور صحیح کو غلط سے الگ کر دیتا ہے۔ ایک ولیٔ کامل کو اللہ تعالیٰ یہ ملکہ بھی عطا کرتا ہے کہ وہ صحیح اور غلط حدیث میں کشفی طور پر تمیز کر لیتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث علم الرجال کے مطابق صحیح ہوتی ہے۔ مگر وہ قولِ رسولؐ نہیں ہوتی۔ ولیٔ کامل اُسے جانتا ہے۔ اسی طرح ایک دُوسری حدیث فنی طور پر وضعی سمجھی گئی ہے مگر وہ واقعی وضعی نہیں ہوتی اور ولی اُسے براہِ راست سنتا اور سمجھتا ہے اور مان لیتا ہے۔ اُس کا معیارِ ردّ و قبول اوروں سے قطعی جدا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو کشفی حالت میں رسُول اللہؐ سے تعلق قائم کرنے کا درجہ حاصل ہوتا ہے وہ اکثر قولِ رسولؐ اور عملِ رسُولؐ کی روایات کو خود رسُول اللہؐ سے پُوچھ لیتے ہیں اور آپ

یا تو تصدیق فرما دیتے یا انکار کر دیتے ہیں۔
ابن عربی کہتے ہیں کہ میں اُس زمانہ میں قرطبہ میں تھا کہ مجھے بحالتِ کشف اُن تمام اولیاء اور اقطاب کے متعلق بتایا گیا کہ جو اُمتِ محمدیہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اُن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں —— مُغرق، مداوی الکلوم بکا، مرتفع، شفا، ماجق، عاقب، منحور، شجر الماء، عنصر الحیاۃ، شرید، راجع، صانع، طیار، سالم، خلیفہ، مقسوم، حی، رامی، واسع، بحر، لمصق، ہادی، مُصلح، باقی۔ یہ کل پچیس نام ہیں۔ اِن میں سے مداوی الکلوم بہت اہم شخص، اسرارِ علومِ رُوحانی سے پوری طرح واقف اور عالم و فاضل تھا۔

ابدال

ابدال سات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سات ولایتوں کے محافظ و منتظم ہیں۔ ہر ابدال کے لئے ایک اقلیم مقرر ہے ساتوں ابدالوں کو ساتوں آسمانوں سے روحانیت ملتی ہے جو ان آسمانوں پر رہنے والے انبیاء کی طرف سے ہوتی ہے ان کے نام یہ ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت

ادریسؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت آدم علیہ السلام وغیرہ۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ہارُون کے درمیان آمدورفت رکھتے ہیں۔ ان سات ابدالوں کے دلوں پر ساتوں پیغمبروں کے حقائق نازل ہوتے ہیں یہ ابدال تمام اوقاتِ کار اور احوال سے باخبر ہوتے ہیں۔ اپنی اقلیم کے تمام حالات پر ان کی نظر رہتی ہے۔ ہر علمی امر جو یکشنبہ کو ظہور پذیر ہوتا ہے وہ حضرت ادریسؑ کے زیرِ اثر ہوتا ہے، اُس دن جو کچھ ہوتا ہے وہ فلکِ چہارم کے اثر سے ہوتا ہے۔ اس اقلیم کے نگہبان کا مقام ولایت چہارم ہے۔ ابدال اپنی اقلیم کے تمام علوم کے اسرار، روحانیات علمِ نور وضیا اور برق و شعاع کا حامل ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کوئی چیز نورانی اور تاریک کیوں ہوتی ہے۔ اس کا مزاج کیا ہے۔ جگنو کیوں چمکتا ہے۔ وہ علمِ نباتات وعلمِ حیوانات سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ خوشبو کیا چیز ہے اور بدبو کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ خوشبو یا بدبو جوہر ہے یا عرض۔ یہ علم اُس کو بروز یکشنبہ حاصل ہوتا ہے۔

ہر وہ امر جو دوشنبہ کو ہوتا ہے حضرت آدمؑ کے زیرِ اثر ہوتا ہے، جو سہ شنبہ کو ہوتا ہے وہ حضرت ہارُون کے

زیرِ اثر ہے۔ اِس اقلیم کے ابدال کو تدبیرِ ملک اور سیاست کا علم بھی عطا کیا جاتا ہے۔ فوج کشی اور فوجی کارروائیوں کا سلیقہ اور علم بھی عنایت ہوتا ہے۔ جو امر چہار شنبہ کو ہوتا ہے وہ حضرت عیسیٰ کی روحانیت کے زیرِ اثر ہوتا ہے اِس اقلیم کے ابدال کو اوہام، الہام، وحی، قیاسات، رویاء اختراع اور صنّاعی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اِس کو علمِ تبلیغ کتابت، آداب، کہانت، سحر اور طلسمات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اِسی طرح جو امر پنجشنبہ کو ہوتا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانیت کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ اِس اقلیم کے ابدال کو علمِ نباتات، مکارمِ اخلاق اور قبولِ اعمال کا علم ہوتا ہے۔ جو امر جمعہ کے روز ہوتا ہے وہ حضرت یوسف کی روحانیت کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ جو امر شنبہ کو ہوتا ہے وہ حضرت ابراہیم کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ اِس اقلیم کے ابدال کو علمِ دوام و بقا حاصل ہوتا ہے اور اِس ابدال میں تمکنت و ثابت قدمی بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔

ابن عربی کہتے ہیں یہ ہم نے تمہارے لئے ابدال کے مراتب و مقامات کھول کر بیان کر دیئے ہیں تاکہ تم کو اِن کا مرتبہ معلوم ہو سکے۔ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ وہ قطب جو مداوی الکلوم تھا۔ وہ جس زمانہ میں ہیکل میں تھا تو

ستّر قبیلے اُس کے زیرِ اثر تھے۔ جو شخص اس کا جانشین ہوا اُس کا نام مُستلم تھا۔ وہ بھی ایک قطب تھا۔"

قطب و ابدال کا سلسلہ لوگوں کی رُوحانی ترقی اور امورِ سلطنت کے لئے ہر ملک و قوم اور ہر زمانہ میں جاری رہتا ہے۔ ان لوگوں میں کبھی کبھی کچھ لوگ ظاہر ہو جاتے ہیں ورنہ عموماً عوام کے لئے نامعلوم رہتے ہیں مگر خواص اُن سے واقف ہوتے ہیں۔

شیطانی اور اصلی وحی کا فرق

جس طرح اللہ کے ولی ہُوتے ہیں اسی طرح شیطان کے بھی ولی ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے پیغمبروں کو وحی کرتا ہے اور شیطان اپنے اولیاء کو وحی کرتا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی وحی خیر پر آمادہ کرتی ہے اور شیطان کی وحی شر پر۔ شیطان کبھی دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ کبھی خواب میں بھکاتا ہے۔ کبھی دائیں طرف سے آتا ہے اور کبھی بائیں طرف سے۔ کبھی پیچھے سے۔ جب وہ پیچھے سے آتا ہے تو اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ تم کو اس بات کے لئے آمادہ کرتا ہے جو حق نہیں ہے۔ ایسی حالت میں انسان اس کے زیرِ اثر اللہ پر تہمت تراشتا ہے،

نبوت و رسالت کے دعویٰ پر اکساتا ہے اور صاحبِ الہام ہونے کا دعویدار بناتا ہے۔ شیطان ہر مذہب وملت کے اصول و قوانین سے واقف ہے اسلئے وہ انھیں اصولوں اور قوانین میں خرابیاں پیدا کرنے کے لئے اپنے ولیوں میں سے جھوٹے نبی بناتا ہے تاکہ لوگ راہِ حق سے بھٹک جائیں اور ان قوانین کو غلط طور پیش کریں جو اللہ نے اپنے سچے رسولؐ کے ذریعہ بھیجے تھے۔

ابلیس جو کام کرتا ہے، فرشتے اس کے بالکل برعکس کرتے ہیں۔ وہ انسان کو خیر پر آمادہ کرتے ہیں اور شر سے بچنے پر۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ تم اگر وہ نہ کرو جو شیطان کہتا ہے تو خداوند کریم تم پر اپنی نعمتیں نازل کریگا، روحانی دولت سے مالامال کردے گا اور تمھیں قربِ الٰہی حاصل ہو جائیگا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ تم صادق ہو جاؤ گے، صدق کے معنی ہیں مضبوط، قوی۔ جو شخص صادق ہوتا ہے وہ اپنے ارادے اور ایمان کا مضبوط ہوتا ہے اور اپنی نفس پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اپنے نفس کی خواہشات سے مغلوب نہیں ہوتا۔ اُس کو دین و دنیا پر اقتدار اور عصمت و حفظِ الٰہی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تم پر خود تمھارا وسوسہ اور دُوسرے کا وسوسہ

اثر انداز نہیں ہوگا اور تم اپنے پروردگار کے خالص بندے بن جاؤ گے۔

شیطان اگر تمہارے پاس دائیں طرف سے آئے تو تم اُس پر قوی رہو گے اور اُسے دفع کر دو گے۔ وہ دراصل اس لئے آتا ہے کہ وہ تمہارے دلائل اور مکاشفات میں خلل ڈالے لیکن یہ طرف ہمیشہ انسان میں قوی ہوتی ہے اسی لئے وہ ہار جاتا ہے۔ شیطان کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ امرِ حق اور تمہارے احوال کی مناسبت سے بیچ میں صورتحال کو بدل دیتا ہے اور اگر تم اس قابل نہ ہو کہ حق و ناحق میں تمیز کر سکو تو وہ تم کو گمراہ کر دیتا ہے۔ شیطان اسی طرح کے شعبدے بھی دکھاتا ہے جیسے جادوگروں نے فرعون کے دربار میں موسیٰ کو جھٹلانے کے لئے دکھائے تھے مصنوعی طور پر رسیوں اور لکڑیوں کو سانپوں کی شکل میں پیش کر دیا تھا جس کے مقابلے کے لئے اللہ نے حضرت موسیٰ کے عصا کو واقعی ایسا بڑا سانپ بنا دیا کہ وہ تمام مصنوعی سانپوں کو کھا جائے۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے۔

جب یاروں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کا عصا سب سانپوں کو کھا گیا تو وہ خدا کی قدرت پر ایمان لے آئے لیکن فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ کو پھر بھی

جھٹلایا اور اُن کو ایک بڑا جادوگر قرار دیدیا اور ایمان نہیں لائے۔ جادوگروں کے ایمان لانے کی ایک وجہ اور بھی تھی، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ خود اپنے عصا والے سانپ سے ڈر گئے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جادوگر نہیں تھے اور خود بھی عصا کے سانپ بننے کی حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ اس کا فاعلِ حقیقی تو اللہ تھا اور حضرت موسیٰ تو صرف اُس کے بندے اور رسول تھے۔ جو جادوگر وہاں موجود تھے اُن کی تعداد اسّی ہزار تھی۔ انھوں نے حضرت موسیٰ کی رسالت اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے لئے فرعون کا تمام قہر و غضب برداشت کیا اس لئے کہ وہ جلوۂ ربانی کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اُن کے دِل کی آنکھیں کھُل گئی تھیں۔

ابن عربی کہتے ہیں کہ جب ابلیس تمھارے پاس بائیں طرف سے آئے تو اس کی یہ علامت ہوتی ہے کہ تمھارے دل میں ایسے وسوسے پیدا ہُوتے ہیں جو خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ انسان شرکِ خفی و جلی دونوں کا شکار ہوتا ہے وہ کسی بھی پسندیدہ شخصیت کو اللہ کی الوہیت کا شریک بنا لیتا ہے۔ اگر تم نے مدافعت کی تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کریگا اور تم کو دلائل و براہان کی

قوت سے نوازے گا اس لئے کہ ایسی بات کو بغیر دلیل کے دفع نہیں کیا جا سکتا۔ علم و دلیل کے ذریعہ ہمارے عقائد کی توثیق ہوتی ہے۔ جب ابلیس سامنے سے آتا ہے تو تمھارے عقائد میں الجھن پیدا کرتا ہے اور حقائق میں شبہ کرنا سکھاتا ہے۔ جو اس پر غلبہ پاتا ہے۔ یہ وُہ فتنہ ہے جس کا شکار سوفسطائی ہوئے تھے۔

نبوت جاری ہے

ابن عربی ایک طرف ہم کو جھوٹے نبیوں اور شیطانی وحی سے خبردار کرتے ہیں تو دوسری طرف جھوٹے نبیوں کے لئے دروازہ کھول دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نہ صرف نبوّتِ غیر تشریعی رسول اللہؐ کے بعد جاری رہے گی بلکہ رسول اللہ کی اُمّت میں اولیا اللہ کو بھی الہام ہوتا رہیگا۔ ابن عربی کا کہنا ہے کہ محمدؐ رسول اللہؐ حقیقت الحقائق ہیں یعنی اللہ نے سب سے پہلے اُن کے نور یعنی حقیقت کو پیدا کیا۔ دوسری طرف وہ آخری نبی اور رسول ہیں اس طرح کہ اُن کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی مگر اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان رشد و ہدایت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور خود شریعتِ محمدّیہ کے متعلق مختلف حالات

میں ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے۔ رُشد و ہدایات کا سلسلہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رسولؐ کی طرح کی وحی بذریعہ جبریل نہیں آتی بلکہ خواب آواز اور کشف کے طور پر ہدایات مِل جاتی ہیں۔ وہ لوگ جن پر الہام ہوتا ہے اکثر و بیشتر ایسے ولی ہوتے ہیں جو ملامتیہ ہوتے ہیں یعنی اپنی صفات کو پوشیدہ اور اپنے عیوب کو عیاں رکھنے والے ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کو نہ جانیں۔ کبھی کبھی مجبوراً خود کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں جس طرح نبیوں نے اپنے کو ظاہر کیا تھا تمام نبی فطرتاً ملامتیہ ہوتے ہیں۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ اگرچہ کسی طرح کی نبوّت بھی اکتسابی نہیں ہوتی مگر آدمی اپنے تقوےٰ اور طہارت کے ذریعہ ایک ایسی روحانی کیفیت ضرور حاصل کر سکتا ہے جس میں وہ ایک نبی کی طرح اللہ سے براہِ راست تعلق قائم کر لیتا ہے۔

معراج

جب اللہ کے کسی بندہ کا تعلق اُس کے تقوےٰ کی بنیاد پر براہِ راست اللہ سے قائم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے رُوحانی ترقی کی ایک سیڑھی لگا دیتا ہے۔ انسان

اگر اس پر برابر چڑھتا رہتا ہے تو ایک دن اس عارف باللہ اور ولی کو اپنی ہمت کے مطابق معراج ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے ایک خاص ترقی کا زینہ مقرر کیا ہے جو کسی اور دوسرے کے لئے نہیں ہوتا بعض لوگوں کو گمان ہے کہ اُن کو ایسی معراج ہو سکتی ہے جیسی رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تھی مگر یہ بات ممکن نہیں ہے۔ ہر آدمی کی اور ہر پیغمبر کی معراج الگ الگ ہے۔ رسول اللہ اس کائنات میں اشرف ترین ہیں۔ اس لئے ان کی معراج بھی اشرف ترین ہے اور وہ قرب جو اُن کو نصیب ہوا تھا اب کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ اولیاء کو جو معراج ہوتی ہے وہ عموماً خود اپنی ذات کے عرفان کا ایک مقام ہوتا ہے۔

ابنِ عربی کی حضرت خضرؑ سے ملاقات

ہم نے ابن عربی کے حالات میں شروع ہی میں لکھا ہے کہ وہ اس بات کے دعویدار تھے کہ اُن کی روحانی تربیت براہِ راست حضرت خضر اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مرہون منت ہے۔ اگرچہ قرآن میں حضرت خضر کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر مفسرین کی اکثریت اس کے حق میں ہے کہ وہ شخصیت جس نے حضرت موسیٰ کی تربیت کی تھی

اور دیوارِ یتیم درست کی تھی۔ حضرتِ خضر علیہ السلام کی شخصیت تھی۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ اب تک اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر دراز کی ہے —— اور جس نے خضر علیہ السلام کو دیکھا تھا اُس کو ابن عربی نے دیکھا تھا۔ بعد میں ابن عربی کو خود حضرت خضر سے کئی بار شرفِ ملاقات حاصل ہُوا۔

تخلیق آدم اور قیام محمدی

ابن عربی اپنی کتاب شجرۃ الکون میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش کے لیے اُن کی مٹی کا خمیر تیار کر لیا تو اُس میں تھوڑی وہ مشتِ خاک بھی ملادی کہ جس سے محمدؐ رسول اللہؐ پیدا ہونے والے تھے۔ اگر یہ مشتِ خاک اس میں شامل نہ ہوتی تو حضرت آدم کو یومِ الست میں بلیٰ کی ہمت نہ پڑتی۔ یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ نورِ محمدی کو اس وقت بھی نبوّت کا درجہ حاصل تھا جس وقت حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے (کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ)۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی نے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" اور "درّالثمین فی مبشرات النبی الامین" میں لکھا ہے کہ میں نے حالتِ مکاشفہ میں رسول اللہؐ

صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اس قول کے معنی پوچھے تو از راہ کرم آپ کی رُوحِ کریم کی وُہ صورت مجھ پر ظاہر ہوئی جو آپ کے عالمِ اجسام میں آنے سے پہلے تھی۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن عربی کے روحانی تجربات بڑے عظیم اور یقیناً ناقابل فہم تھے۔

ابن عربی کہتے ہیں کہ وجُود کے ذوات اور اس کی برکت آپ ہی کے وجُود کے ذرّے تھے۔ اور یہ اثر نہ صرف حضرت آدمؑ کے جسد میں بلکہ اُن کے تمام پیدا ہونے والے اجساد میں باقی رہا اور تمام وُہ اجساد جو اِس دنیا میں صراطِ مستقیم اختیار کرتے ہیں وُہ صرف اسی اثر کے تحت کرتے ہیں۔ اولادِ آدم میں نور محمدی کی امانت اسی لئے عام نہ ہو سکی کہ بہت سے جسم مٹی کے غلبہ سے متاثر ہو کر لطیف اجزا کو برقرار رکھنے کے قابل نہیں رہے اور اسی وجہ سے یہ نوُر یکے بعد دیگرے پیغمبروں میں منتقل ہوتا رہا رسول اللہؐ نے فرمایا کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ الَّتِیْ فَطَرَاللہُ النَّاسَ عَلَیْہَا یعنی ہر بچہ اُسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان کو پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ کہ روزِ ازل تو تمام رُوحوں نے اللہ کی توحید اور قدرت کا اقرار کیا تھا۔ اب اگر کوئی اِس دُنیا میں انکار کرتا ہے تو وُہ

دراصل دُنیاوی علائق کی وجہ سے کرتا ہے ۔ ابن عربی
کہتے ہیں کہ یہ ساری کائنات بالکل ایک درخت کی طرح
ہے جس کی جڑ بنیاد "نورِ محمدی" ہے اور سب کو اسی کے
ذریعہ ہر طرح کا فیض حاصِل ہوتا ہے ۔

اس شاخ کی برکتِ عام اور اُس کی رحمت وَمَا
اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ، نورِ محمدی تمام کائنات کے لئے
تاقیامت رحمت ہے تو جب اس عالمِ کون کو آپ کے
لئے بنایا دن رات کو مسخر اور رسوم کو مقرر کیا اور آپ
کے ذکر کو تمام دنیا میں مشہور ـــــ آپ کے سِر اور قدر و
منزلت کی آگاہی تمام دنیا کو دی اور تمام انبیا علیہ السلام
اور اُن کی امتوں سے آپ کی تصدیق کا عہد لیا گیا ۔
آپ کی شریعت کو نہایت مکمل اور مفید بنا کر سب کے لئے
لازم قرار دیا گیا آپ کی نبوّت سے باقی تمام گذشتہ
ادیان کا خاتمہ کیا گیا ، آپ کی کتاب سے تمام کتابوں
کا نزول بند کیا گیا ، آپ کی رسالت سے تمام رسولوں
کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا تو یقیناً اب جو شخص آپ کی
شریعت کے دامن میں آکر پناہ لے گا وہ ضرور نجات
پائے گا اور جو شخص آپ کی ملّت کے ساتھ منسلک
ہو گا وہ ایسے ہی نجات پائے گا جس طرح کہ آدم علیہ السلام

آپ کے ساتھ تعلق سے اُس حادثہ مشہور میں ملامت سے بچ گئے تھے اور اللہ نے آپ کی لغزش کو معاف کیا تھا اور جس طرح آپ کے نور کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ آپ ہی کی وجہ سے حضرت اسماعیلؑ کی جاں بخشی کی گئی۔

خلاصہ یہ کہ اصحاب الیمین کی شاخ کا ثمرہ کہ جس کو وہ دوست رکھے گا خدا بھی ان کو دوست رکھے گا۔ رسولؐ اپنے صحابیوں کو دوست رکھتے تھے اور صحابہ رسول اللہؐ کو اور اللہ دونوں کو اور اصحاب الشمال کا ثمرہ یہ تھا کہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اُن لوگوں کو عذاب دے جن میں آپ مقیم ہوں اور سابقون المقربون ٥ کی شاخ کا ثمرہ یہ تھا کہ ان کے اصحاب کو قربِ الٰہی سے سرفراز فرمایا گیا اور آپس میں شفیق بنایا گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے وُہ کفّار کے لئے سخت گیر اور آپس میں رحمدل اور ہمدرد ہیں۔ غرض آپ کی برکت آفاق میں عام ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو چیزیں ابدالآباد تک دنیا میں قائم رہیں گی وُہ اُن کی نبوّت۔ رسالت اور حکمت

ہے ۔ آپ کا عمل اور قول ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی پیدائش میں بھی یہی حکمت تھی کیونکہ آپ لطیف اور
کثیف دونوں مادّوں سے پیدا کئے گئے تھے تاکہ آپ
کامل المِلل اور کامل الوصف ہو جائیں ۔ آپ کو ضدّین یعنی
جسمانی اور روحانی عناصر سے پیدا کیا ہے ۔ آپ کو جسمانیت
اور بشریّت کا مادہ اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ لوگ بشر
سے ملاقات کر سکیں اور آپ میں ایسی قوّت رکھی گئی جس
کی وجہ سے آپ بشر سے ملاقات کر کے اپنے بشریت کے
مادّہ کی وجہ سے ان کا ساتھ دے سکیں اور محبت کریں ۔
اسی لئے اُن کے منہ سے کہلوایا گیا " اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ہ
(میں بھی تمھاری طرح ایک بشر ہوں) ۔ تمھاری جنس میں
سے ہوں، اور کھانا کھاتا ہوں، پانی پیتا ہوں ۔ اس کے
برخلاف اگر آپ اپنی اصل ہیئت میں آتے تو پھر کوئی آپ
سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا ۔ اسی لئے اللہ نے بندوں کو
اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ " ہم نے تم میں سے ہی
تمھارے لئے رسول بھیجا ہے " ۔ دوسری طرف اللہ نے آپ
کو ایک زبردست روحانی قوت بھی عطا کی تھی جو عالمِ ملکوت
تک کو متاثر کرتی تھی ۔ اللہ نے آپ کی ذات میں ایک خاص
وصف بھی رکھا تھا وہ وصف سِرِّ ربانی تھا جس کی وجہ سے

آپ صفاتِ الوہیت کی تجلّی کو برداشت کر سکے اور حضرت الٰہیہ کے مشاہدہ کی طاقت رکھ سکے۔ اشاراتِ قدسیہ کے خطاب کو سُن سکے اور نفحاتِ رحمانیہ سے لطف اندوز ہو سکے اور یہی فرق تھا عام لوگوں میں اور اُن کی بشریت میں جو آپ نے فرمایا اِنّی لَسْتُ کَاَحَدٍ مِنْکُمْ (میں تمھاری طرح نہیں ہوں) اور فرمایا۔ لِی وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیْہِ غَیْرُ رَبِّی سُبْحَانَہٗ (ایک ایسا خاص وقت بھی ہے کہ جس میں سوائے میرے رب کے جس کی ذات پاک ہے اور کسی کے قرب کی گنجائش نہیں ہوتی ہے)۔

جس مقام کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ ایک ایسا مقام ہے کہ جو سوائے محمد رسول اللہؐ کے اور کسی کو حاصل نہ ہوا اور اُن کے علاوہ یہ مقام کسی مقرب ترین فرشتہ یا نبی کو بھی نہیں دیا گیا۔ گویا یہ مقام ایک ایسا پیالہ ہے جس کو سوائے محمد رسول اللہؐ کے اور کسی نے نہیں پیا۔ اس مقام کے علاوہ اور مقامات ایسے ہیں کہ جو اپنی قسمت سے ملتے ہیں۔ رہا مقامِ محمود وہ کسی کو نہ ملا ہے اور نہ کسی کو مِل سکتا ہے لیکن خود رسول اللہؐ کے ذریعہ وہ تمام برکات جو 'مقامِ محمود' سے تعلق رکھتے ہیں ضرور اُن کے ماننے والوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ آخرت میں جب رسول اللہؐ

مقامِ محمود، پر ہونگے تو لوگ اُن کے جمال جہاں آرا کو دیکھ سکیں گے اور اُن کی بات سن سکیں گے۔ اُس روز تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہونگے اور اُس وقت صرف محمد رسول اللہ کو خطاب کرنے کی اجازت ہوگی لہٰذا آپ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ تمام مخلوق متوجہ اور منتظر ہوگی اور اُس وقت آپ اپنے خطبہ کو اُمّت کے لئے شفاعت سے شروع کرکے "اُمّتی اُمّتی" فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب "رحمتی رحمتی" سے دیا جائیگا تیسرا مقام "مقامِ مشہود" ہے جو "دارالخلود" یعنی جنّت میں ہوگا تاکہ اہلِ جنّت آپ کے جمال کے مشاہدہ سے بہرہ یاب ہوں اور آپ کے دیدار سے حوریں فائدہ اٹھائیں اور جنّت کے قصر آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہوں گے۔

چوتھا مقام "رُویۃ المعبود" ہے یہ "مقامِ قاب قوسین او ادنیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام بھی خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصّہ ہے۔ ان سب مقامات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی زندگی میں جو مقام معراج کے طور پر عطا کیا گیا وہ بھی کسی اور کے لئے نہیں ہے۔

شیخ کے فلسفے کا خلاصہ

شیخِ اکبرؒ کے سارے فلسفے کا نچوڑ یہ ہے کہ اس کائنات میں دُوئی کوئی شے نہیں ہے۔ کثرت صرف وحدت کی ایک جہت ہے ورنہ سوا خدا کی ذات کے اس کائنات کا خود کوئی وجود نہیں۔ ہر شے ذاتِ خداوندی کے لئے داخلی ہے نہ کہ خارجی۔ خدا نے لفظ کُن خود اپنی ہی ذات سے کہا تھا کسی اور خارجی شے نہیں۔ اُس نے سب سے پہلے نورِ محمدی کو پیدا کیا پھر اُس سے ساری کائنات خلق کی۔ نورِ محمدی سب سے قدیم اور بحیثیتِ رسول سب سے آخر۔ مخلوق میں وہ اوّل ترین اور افضل ترین ہیں وہ اس دنیا کے آخری تشریعی نبی ہیں لیکن اُن کے بعد پھر اُمت میں ایسے نبی ہو سکتے ہیں جو صرف اُن کی لائی ہوئی شریعت کے احیاء کے لئے کام کریں۔ یہ نبوّت، نبوتِ غیر تشریعی کہلاتی ہے۔ اُن کے فلسفے کو اختصار سے درج ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کر کے پیش کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) وجودِ بالذّات صرف حق تعالیٰ ہے۔ اُس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ وجودِ بالعرض۔ الا محمد رسول اللہ و آئمہ علیہ السلام

۲ وجودِ بمعنی الموجود صرف ذاتِ حق ہے۔ باقی ہر وجود انتزاعی ہے۔ ان کا وجود تو انضمامی بھی نہیں ہے۔

۳ اسمائے الٰہیہ نیز ممکنات لاعین و لاغیر ہیں۔

۴ اعیانِ ثابتہ ظاہر میں مخلوق ہیں اور باطن میں وہ ذہنِ خداوندی میں غیر فانی ہیں۔

۵ اعیانِ ثابتہ اور حقائق اشیا ظہورِ اسمائے الٰہی کے امکانات ہیں جن کو وجودِ خارجی کی ہوا تک نہیں لگی۔

۶ کُن سے پہلے داخلی کیفیات ہیں اور کُن کے بعد خارجی مخلوقات۔

۷ اعیانِ ثابتہ، مخلوقات وحقائقِ کونیہ وطبائع ممکنات پر اسمائے وصفاتِ الٰہیہ کی تجلّی ہوتی ہے اور اِس طرح مخلوقات و ممکنات وجود میں آتے ہیں۔

۸ اعیان ثابتہ پر ویسی ہی تجلّی ہوتی ہے جیسا کہ اُن کا اقتضا۔

۹ حقیقتِ کُل پر تجلّیٔ کُل اور حقیقتِ جزو پر تجلّی جزوی ہوتی ہے

۱۰ اعیان وحقائق کا یہ پتہ نہیں چلایا جا سکتا کہ وہ ایسے یا ویسے کیوں ہیں۔

۱۱ تقدیر دراصل وہ نظام العمل ہے جو اس دنیا میں ہونے والا ہے۔

۱۲ د سے ب پیدا ہوئی، ب سے ج اور ج سے د۔
تو یہ ایک طرح کا لوازمہ ہے نہ کہ جبر۔

۱۳ وجودِ مطلق خیر مطلق ہے اور عدم محض شر محض۔ وجود
اضافی کے ساتھ عدم اضافی لگا رہتا ہے۔

۱۴ عدم کوئی شے نہیں ہے اور اگر ہو تو وجود ہو جاتا
ہے اس لیے عدم ممکن نہیں۔

۱۵ وجودِ علمی کو ثبوت اور وجود خارجی کو وجود کہتے ہیں
لہٰذا اعیانِ ثابتہ جو معلوماتِ حق ہیں خارج از وجود
اور معدوم ہیں۔

۱۶ عین ثابتہ کی استعدادِ کُلّی کے مطابق عینِ خارجی کی
استعداد پیدا ہوتی ہے۔

۱۷ خدا جو حیّ، قیوم اور محیط ہے ہر وقت مخلوق کی
نگہبانی کرتا ہے اُس کی مرضی کے بغیر کوئی شے ایک
لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

۱۸ ہر شے کے دو تعیّن ہوتے ہیں۔ ایک تعین ذاتی
جو کبھی نہیں بدلتا اور دوسرا تعین صفاتی جو بدلتا رہا ہے۔

اقوالِ ابنِ عربی

۱۔ اے مقرّر تیری تقریر سُننے والے کے معیار کے مطابق

ہونی چاہیے اور تجھے اس قابل ہونا چاہیے کہ تو اُس کے چھپے ہوئے شبہات اور ذہنی الجھنوں سے واقف ہو۔

۲۔ اگر تجھ سے کسی کے سوال کا جواب نہ بن پڑے تو خاموش رہ۔ ممکن ہے اُسے تیرے جواب کی ضرورت نہ ہو۔

۳۔ اپنی اپنی بساط کے مطابق سب ہی کچھ نہ کچھ جانتے ہیں یہاں تک کہ ایک گدھا بھی جانتا ہے۔

۴۔ جہاں تک ممکن ہو شک و شبہ سے بچو۔

۵۔ اُن لوگوں سے ہوشیار رہو جو علمأ کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔

۶۔ ہر اہلِ علم اپنے ظرف کے مطابق علم رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کا عرفان اور رسول کے معجزوں کو سمجھنے میں سب ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

۷۔ اگر کوئی شخص اس بات پر عقیدہ نہیں رکھتا جس پر اُس کی جماعت یقین رکھتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اُس گروہ سے علیحدہ ہو جائے اس لیے کہ ایسی صحبت بڑی زہریلی ہوتی ہے۔

۸۔ جس طرح دُوری ایک حجاب ہے اسی طرح قرب بھی ایک حجاب ہے۔ اگر خدا ہماری شہ رگ سے بھی قریب

ہے تو پھر یہ ستر ہزار حجاب والی بات کیا ہے؟

۹۔ تم اسرارِ قدسی میں کوئی شک نہ کرو اس لئے کہ وہ بے حقیقت نہیں ہیں مگر تم سمجھ نہیں پاتے۔

۱۰۔ کسی آدمی کی سب سے بڑی خوبی اپنے دشمنوں کے ساتھ نرم دلی کا برتاؤ ہے۔ اللہ خود اپنے دشمنوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔

۱۱۔ ایک شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اُسے وہ سب کچھ آتا ہو جس کی اُس کے مریدوں کو ضرورت ہے۔ شیخ ہونے کے لئے صرف کشف و کرامات کافی نہیں ہوتے۔

۱۲۔ سچّا صوفی وہ ہے جو ہر طرح کی "انا" کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ 'میرا'، 'میری جان' اور 'میری ملکیت' کے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔

۱۳۔ عبادت کی جان عجز ہے۔ جس طرح ہڈّی کے گودے سے اعضا مضبوط ہوتے ہیں اسی طرح عجز کے گودے سے عبادت میں جان پڑتی ہے۔

۱۴۔ کوئی شخص اُس وقت تک علم کی بلندیوں کو نہیں چھُو سکتا جب تک وہ اللہ کے کلام اور محمد رسُول اللہ کی تعلیم پر پوُری طرح عمل نہ کرے اور تمام قدیم پیغمبروں کی الہامی تعلیم کا احترام نہ کرے۔

۱۵- عالِم مجذوبیت جہل نہیں ہے عِلم ہے۔

۱۶- اللہ کے تمام اسماء میں سے حیّ، قیّوم، قادر اور مُحیط سب سے اہم ہیں۔

۱۷- جو شخص اللہ کے قوانین کی نافرمانی کرتا ہے اسے کبھی عزّت حاصل نہیں ہوتی چاہے اُس کی شہرت آسمانوں کو چھُوتی ہُو۔

۱۸- اللہ نے اپنے رسول کے علاوہ اور کسی کی اندھی تقلید کی اجازت نہیں دی ہے۔ چاہے وہ کتنے ہی بڑے مُفسّر، مُحدّث اور فقیہہ کیوں نہ ہُوں۔

۱۹- میں وہ شخص نہیں ہوں جو صرف یہ کہہ کر مطمئن ہو جائے کہ فلاں مصنّف نے یہ کہا ہے اور فلاں نے یہ نہیں کہا۔

۲۰- انسان کا جہل اِس سے زیادہ اور کیا ہُوگا کہ وہ پتھروں (جواہرات) کو جمع کرتا ہے اور قیمتی اشیاء کو ضائع کردیتا ہے۔

۲۱- جس کسی نے الحاد اور حلوُل کو مانا اُس نے شرک کیا۔

۲۲- نبوّت دُو طرح کی ہوتی ہے ایک تشریعی اور دوسرے غیر تشریعی۔ نبوت تشریعی، محمّد رسُول اللہؐ پر ختم ہو گئی لیکن نبوّت غیر تشریعی جاری ہے۔

۲۳- ختمِ نبوّت کی طرح ختمِ ولایت بھی ہوتی ہے اور خاتم الاولیا

بھی پیدا ہو چکا ہے۔

۲۴۔ جو شخص خدا کی تنزیہہ کی بجائے تشبیہہ اور تجسیم کا قائل ہو وہ مشرک ہے۔

۲۵۔ خدا کی صفات داخلی ہیں، خارجی اور اضافی نہیں۔

ابنِ عربی کے موافق و مخالف

ابن عربی تاریخ اسلام کے تنہا مصنف ہیں جن کی موافقت اور مخالفت میں بڑے بڑے لوگوں نے صدیوں تک حصّہ لیا اور آج بھی اُن کی تصانیف معرض بحث میں آتی رہتی ہیں۔ جو لوگ معتقد تھے انھوں نے اُن کو شیخِ اکبر کہا اور جن لوگوں نے اُن کو ناپسند کیا انھوں نے اُن کو کافرِ اعظم۔ اُن کی مخالفت کرنے والوں میں امام ابنِ تیمیہ اور علامہ تفتازانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ موافقین میں سیوطیؒ، عبدالرزاق کاشانی اور الجیلیؔ بڑے درجے کے مصنف ہیں۔ شیخِ اکبر نے تو اپنی زندگی میں کبھی کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور نہ کبھی کسی کے اعتراض کا جواب دیا۔ نہ کسی سے مناظرہ کیا۔ بلکہ خاموشی اور متانت سے مخالفین کی باتوں کو سنا اور ہنس کر اڑا دیا ——

علامہ جمال الدین لکھتے ہیں:-

"میں نے محی الدین کو دمشق میں دیکھا تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم وفاضل تھے۔ اُن میں وہ تمام خوبیاں اور علوم موجود تھے جو ممکن ہو سکتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔ انھوں نے اپنی تحقیق و تجسّس سے یہ یقین حاصل کیا تھا کہ اللہ کی وحدانیت کسی طرح کی ثنویّت کو قبول نہیں کر سکتی۔ اُن کے زمانہ میں بھی ان کا علمی مقام بہت بلند تھا اور انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ عجیب و غریب بات یہ تھی کہ اُن کے شاگرد بننے والوں میں بہت عالم و فاضل لوگ بھی شامل تھے اور وہ اُن کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ اُن میں وہ لوگ بھی تھے جو اچھی اچھی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ میرے شیخ الحرار اور ابن عربی کے درمیان بڑی گہری دوستی تھی"۔

اسی طرح مخالفین کے فتوؤں کا جواب دیتے ہوئے ابن عربی کے ایک مدّاح ابن کمال نے جو فتویٰ شائع کیا تھا اُس میں مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا تھا:-

"لوگو تم یاد رکھو کہ ابن عربی الطائی الاندلسی ایک نہایت ہی مکمل مجتہد ہیں اور اپنے اندر غیر معمولی صلاحیتیں، خوبیاں اور کرامات رکھتے ہیں۔ جو شخص اُن کی مخالفت کرتا ہے وہ بذاتِ خود غلط رو ہے۔ جو اُن کو مشرک و گمراہ کہتا ہے وہ خود مشرک و گمراہ ہے اور حاکمِ وقت پر لازم آتا ہے کہ ابنِ عربی پر ملحد ہونے کا الزام لگانے والے کو سزا دے"۔

علامہ جلال الدّین سیوطی نے تو ابن عربی کی مدافعت میں ایک مکمل کتاب لکھی تھی۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ابن عربی پر سب کی رائے متفقہ نہیں۔ بعض اُن کو "صادق" سمجھتے ہیں اور بعض "شیطان"۔ القمری نے اپنی کتاب "روضہ" میں لکھا ہے "جو ابن عربی کو ملحد سمجھتا ہے وُہ خود ملحد ہے"۔ عبدالوہاب شعرانی ابن عربی کو ایک بہت عظیم صُوفی اور مفکّر تسلیم کرتے ہیں۔ مشہور صُوفی تاج الدّین اصفہانی اور تاج ابن عبداللہ (اسکندریہ) نے ابنِ عربی کو ایک فاضلِ اجل اور عظیم صُوفی قرار دیا ہے۔ جب کسی نے القاموس کے مصنّف فیروز آبادی سے دریافت کیا کہ کیا لوگوں کو ابن عربی کی تصانیف پڑھنی چاہئیں؟ تو اُس نے اس سوال کے جواب

میں ایک کتاب لکھی اور اس میں تحریر کیا۔
"شیخ اکبر واقعی شیخِ اکبر تھے۔ وہ محققین کے سرتاج اور امام ہیں۔ ان کی کتابیں علم کے ایسے خزانے ہیں جن کی کوئی تھاہ نہیں اور جن کو پڑھ کر لوگوں کو عرفانِ الٰہی حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ محققین کے امام تھے۔ اُن کی تصنیف کی خاصیت یہ ہے کہ اگر کوئی پڑھنے والا پڑھ کر غور کرے تو اُس کے دل کی آنکھیں کھل جائیں گی شکوک دُور ہو جائیں گے اور تمام مسئلے حل ہو جائینگے اور یہ سعادت سوائے اُن کے اور کسی میسّر نہیں آتی جن کو اللہ تعالیٰ خاص طور سے علوم خاص سے نوازتا ہے۔ ابن عربی نے چار سو کتابیں لکھی تھیں جن میں ایک طویل تفسیرِ قرآن بھی شامل ہے۔ ابن عربی ایک صدّیق اور ولیِ کامل تھے۔ بعض لوگ ان کو غلط سمجھتے ہیں اور ملحد و کافر کہتے ہیں لیکن یہ سب اُن کی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے ہے۔"
مشہور عالم اور مفسّر عزّ الدّین بن عبد السّلام کے شاگردوں میں سے صلاح الدّین نے ابنِ عربی کے متعلق ایک واقعہ

"

درج کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ لفظ "زندیق" پر بحث کرتے ہوئے اُن کے اُستاد نے ابن عربی کے متعلق کیا ارشاد فرمایا اور زندیق کے کیا معنی بتائے۔ بحث درج ذیل ہے:-

"ایک مرتبہ ہم سب درس لے رہے تھے کہ ایک طالبِ علم نے لفظِ زندیق کے معنی پوچھے اور یہ بھی پوچھا کہ یہ لفظ عربی ہے یا فارسی؟ دوسرے نے جواب دیا کہ یہ لفظ فارسی الاصل ہے جو عربی زبان میں آگیا ہے اور دونوں لفظوں سے مرکب ہے "زن" اور "دین" یعنی عورتوں کا مذہب۔ پھر یہ بگڑ کر "زن دیق" ہوگیا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں ایسے لوگ عموماً بے دین ہوتے ہیں اور اپنے غلط عقائد کی پردہ پوشی کرتے ہیں جیسا کہ ابن عربی دمشقی کو لوگ زندیق کہتے ہیں۔ یہ بحث طلبا میں آپس ہی میں ہوئی۔ شیخ اُس دن روزے سے تھے۔ خاموش رہے اور مجھے روزہ کھولنے کے لئے اپنے ہاں مدعو کرلیا۔ میں جب اُن کے ہاں روزہ کھول

رہا تھا تو میں نے پوچھا کہ کیا آپ اس دور
کے سب سے بڑے ولی کو جانتے ہیں؟ انھوں نے
فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب، تم چُپ چاپ
کھانا کھاؤ۔ میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور اُن
سے التجا کرنے لگا۔ آخر انھوں نے مسکرا کر
جواب دیا۔ "محی الدین ابن عربی"۔ میں ایک منٹ
کے لیے ہکّا بکّا رہ گیا۔ شیخ نے پوچھا "حیران
کیوں ہو"؟ میں نے کہا لوگ تو اُن کو زندیق
کہتے ہیں، شیخ نے جواب دیا کہ "ابن عربی اس
عہد کے سب سے بڑے قطب تھے۔ تم خاموش
رہو اور اس بارے میں زبان نہ کھولو"۔
شیخ کمال الدین کہتے ہیں "کسقدر نادان ہیں وہ
لوگ جو ابن عربی کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر وہ بھی کیا کریں
ابن عربی کی تصانیف درحقیقت اس قدر دقیق اور نکتہ رس
ہیں کہ وُہ اُن کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ مگر یہ لوگ ان باتوں
کو کسی سے سمجھ تو سکتے ہیں۔ اگر مجھ سے پوچھیں تو میں اُن
کو سب کچھ بتا دُوں اور سمجھا دوں کہ وہ کس قدر غلط فہمی
میں ہیں۔ اسے کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے
"فصوص الحکم" محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے

بلکہ یہ کتاب حکمت کا خزانہ ہے ۔ اس کے برخلاف علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ابن عربی نے جو کچھ لکھا ہے وہ جھوٹ کا پلندہ ہے ۔ وہ ایک بڑے صوفی اور گمراہوں کے سردار ہیں ۔ اس سلسلہ میں ابن عربی کے خلاف فتویٰ دینے والوں میں سب سے بڑی شخصیت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی ہے (دیکھئے رسال ابن تیمیہ مطبوعہ مصر)

ابن عربی کے متعلق چند مستشرقین کی رائیں بھی ان کی شخصیت کو اجاگر کرتی ہیں ۔ مشہور مستشرق آر۔ اے نکلسن جو اسلامی تصوف پر لکھنے والوں میں ایک بلند مقام رکھتا ہے ۔ ابن عربی کے متعلق رقمطراز ہے " ابن عربی کی تحریر بے حد دشوار ، ژولیدہ اور ناقابل فہم ہے ۔ انھوں نے جو کچھ الٰہیات پر لکھا ہے اُسے سمجھنا آسان نہیں ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ اُسے کما حقہ بیان کرنا تو کجا اُس کا ایک خلاصہ بھی پیش کرنا مشکل ہے اور یہ کام اُس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی مستشرق اُن کی تمام تصانیف کو بڑے غور و خوض سے پڑھے اور مستقل اس پر کام کرے ، یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تصوف کے تمام مسائل کو سمجھتا ہو ۔ ابنِ عربی ایک اعلیٰ درجہ کے صوفی اور ماہر علوم دین

بھی تھے۔ وہ شرعی زندگی گزارتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ عربی ایرانی فلسفے اور تصوّف کی تردید کے لئے سب سے زیادہ کوشاں رہے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ابنِ عربی فلسفۂ وحدت الوجود کے بانی ہیں اور روحانی معاملات میں حکیم فیثا غورث کی بازگشت اُن کے ہاں سنائی دیتی ہے وہ شرعی نقطۂ نظر کو قطعی طور پر ترک نہیں کرتے اور معراج میں محمدؐ رسول اللہؐ کو بھی اللہ سے قاب قوسین او ادنیٰ پر ہی رکھتے ہیں اُن کے خیال میں بھی یہ وصل، وصلِ روحانی تھا نہ کہ وصلِ جسمانی"۔

فرانس کے مشہور مستشرق ایل میسیُنو نے خواجہ خان کو اپنے ایک خط میں ابنِ عربی کے متعلق لکھا تھا کہ "تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ منصور حلاج کے متعلق میری کیا رائے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عشق الٰہی میں حلاج جس قدر غرق تھا اور جتنا گہرا ڈوبا تھا یہ بات ابنِ عربی کے ہاں اُن تمام فضل و کمال کے باوجود موجود نہیں۔ (یہ خط خواجہ خان کی کتاب "حکمتِ انبیاء" میں شائع ہو چکا ہے)

مندرجہ بالا آرا کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ابنِ عربی متفقہ طور پر ایک مشکل مصنف اور مفکر

ہیں۔ اُن کے ہاں تصوّف بھی ہے، فلسفہ بھی ہے اور دینیات بھی۔ ایسی حالت میں اُن کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہونا تعجب خیز نہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اُس کا ایک بڑا حصّہ شریعتِ اسلامی کے متعلق نہیں ہے۔

ابنِ عربی کی تصانیف

ابنِ عربی نے کتابیں اور رسائل بڑی تعداد میں لکھے مگر اُن کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے۔ جامیؒ نے ان کی کتابوں کی تعداد پانچسو بتائی ہے اور فیروزآبادی نے چارسو لیکن خود ابنِ عربی نے سنہ ۱۲۳۴ء میں اپنی موت سے پانچ سال پہلے جو فہرست تیار کی تھی اُس کے مطابق اُن کی تصانیف کی تعداد دوسو نواسی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ آخر انھوں نے اِن پانچ برسوں میں بھی تو کتابیں یا رسائل لکھے ہونگے اور یہ تعداد یقیناً دس گیارہ سے کم نہ ہوگی۔ اس طرح اندازے کے مطابق ابنِ عربی نے تین سو کتابیں لکھیں مگر یہاں یہ بتانا بے جا نہ ہوگا کہ اُس زمانہ میں ہر رسالہ اور کتابچہ کو بھی کتاب ہی کہا جاتا تھا اور اس وجہ سے

سب کتابوں کا ضخیم ہونا ضروری نہیں ہے۔ ابنِ عربی کی کتابوں کی فہرست جو بروکلمان نے تیار کی تھی اُس میں اُن کی ڈیڑھ سو کتابوں کے نام درج کیے تھے۔ ویسے کتب خانوں میں اب ان کی بیس پچیس کتابوں سے زیادہ موجود نہیں ہیں۔ باقی حادثات کی نذر ہوگئیں۔ کچھ کتابیں درج ذیل ہیں۔

(۱) فتوحاتِ مکیہ (چار جلدیں مطبوعہ مصر) (۲) فصوص الحکم (مطبوعہ مصر) (۳) شجرۃ الکون (۴) مطلع الانوار الالٰہیہ (۵) مشاہدۃ الاسرار (۶) انشاء الدوائر (۷) حلیۃ الابدال (۸) افادہ (۹) مطالعہ علم جفر (۱۰) محاضرۃ الابرار (۱۱) تفسیر کبیر (۱۲) تفسیر صغیر (۱۳) کتاب الاخلاق (۱۴) امرِ محکم (۱۵) مجموعہ رسائل (۱۶) مواقع النجوم (۱۷) رسالۃ العشواق (۱۸) حقائق التنزیل (۱۹) المعارف الٰہیہ (۲۰) عنقا المقرب (۲۱) عقلۃ المستوفز (۲۲) عقیدۂ مختصر (۲۳) قصیدہ بلا درات العینیہ (۲۴) القوال النفیس (۲۵) تاج الرسائل (۲۶) کتاب الازل (۲۷) کتاب الجلالۃ (۲۸) مراتب الوجود (۲۹) نقش النصوص (۳۰) کتاب المہود۔

پاکٹ بُک سِیریز

آغا خان
امام رازی
ابنِ عربی
امام ابنِ تیمیہ
البیرونی
امیر تیمور
امام غزالی
اکبر اعظم
اکبر اعظم کے نورتن
اورنگ زیب عالمگیر
امیر خسرو
بُلھے شاہ
بابا فرید گنج شکرؒ
جہانگیر
چاند بی بی
حضرت امام حسینؓ

حضرت عُثمانؓ
حضرت عُمر فارُوقؓ
حضرت علاؤالدین صابرؒ
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
حضرت عائشہؓ
حضرت عیسیٰؑ
حضرت مُوسیٰؑ
حضرت علیؓ
حضرت ابُوبکر صدیقؓ
حیدر علی
خواجہ معینُ الدّین چشتیؒ
خالد بن ولید
داتا گنج بخشؒ
رضیہ سُلطانہ
زرتشت
سلیمان اعظم

سُلطان محمدؐ فاتح
سر سیّد احمد خان
سیّد احمد شہید
سیّد امیر علی
سُلطان ٹیپو
سراج الدّولہ
شاہ ولی اللہ
شیر شاہ سُوری
شاہ عبدُاللطیف بھٹائی
شاہ جہاں
صدر ایُّوب
صلاحُ الدّین ایُّوبی
طارق بن زیاد
ظہیرُالدین بابر
عُمر بن عبدُالعزیز
علاؤالدّین خلجی

غوثِ اعظمؒ
کمال اتاترک
قائدِ اعظم محمدؐ علی جناح
مولانا احمد رضا خان
مجدّد الف ثانیؒ
مولانا رُوم
محترمہ فاطمہ جناح
مہاتما بدھ
محمدّ بن قاسم
محمُود غزنوی
نُورجہاں
وقارُالملک
وارث شاہ
ہارُون رشید
یاجُوج ماجُوج

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور • راولپنڈی • منگلا
پشاور • حیدر آباد • کراچی